
موپاساں کے منتخب افسانے

موپاساں کے منتخب افسانے

مترجمہ
چندر بھوشن سنگھ

پبلشر
انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد
۱۹۴۳ء

فہرست مضامین

موپاساں کے منتخب افسانے

بوڑھا جوڈاز

یوں تو اس سرزمین کا چپہ چپہ حیرت انگیز واقعات سے پُر تھا سارے مُلک کی فضا سے مذہبیت کی بُو آرہی تھی۔ تاہم اُس میں حد درجہ کی ویرانی محسوس ہوتی تھی۔ ایک جگہ ننگی پہاڑیوں کے دامن میں ایک بڑی جھیل پُرسکون حالت میں تھی۔ سیوار کے لاتعداد جزیرے ہوا کے جھونکوں سے اُس کے سیاہی مائل اور ساکت پانی کے اوپر تیرتے رہتے تھے۔

اُس جھیل کے کنارے کوئی آبادی نہ تھی۔ صرف ایک چھوٹی سی جھونپڑی اُس ہیبتناک فضا کے درمیان کھڑی تھی جس میں بوڑھا جوزف رہتا تھا۔ مچھلیاں فروخت کرنے سے جو آمدنی ہوتی تھی اُسی سے اُس بوڑھے کی گزر اوقات ہوتی تھی۔ جس قدر مچھلیاں وہ پکڑتا اُنھیں لے کر ہفتہ میں ایک دن وہ قرب و جوار کے گاؤں میں فروخت کر آتا تھا اور وہیں سے اپنی ضروریات کے مطابق چھوٹی موٹی چیزیں خرید لیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میں اُس بوڑھے گوشہ نشین سے ملنے کے لئے وہاں گیا اُس نے مجھے اپنے ہمراہ مچھلی پکڑنے کے لئے چلنے کی دعوت دی اور میں نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔

اُس کی کشتی بھدی اور پُرانی تھی جس کو کہیں کہیں سے کیڑوں نے

کھا لیا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے چچا جوزف کے چہرے پر بھی جھرّیاں پڑ رہی تھیں۔ کشتی کے ایک سرے پر بیٹھا ہوا بڈّھا آہستہ آہستہ مگر ایک ہی رفتار سے چپّو چلا کر کشتی کو کھے رہا تھا۔ اُس کے چپّو چلانے کا انداز ایسا تھا جو ساحل کی ویرانی سے پیدا ہونے والی بے کیف فضا میں امن و سکون کا پیغام لا کر ہمارے دل کے بوجھ کو ہلکا کر رہا تھا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا گویا پُرانے زمانہ کا کوئی آدمی اُس پُرانی کشتی میں مجھے بٹھا کر صدیوں پیچھے کی دنیا کی سیر کرا رہا ہے۔

وہ بوڑھا اپنے جال کو پھیلا کر پھینکتا اور مچھلیوں کو پکڑ پکڑ کر کشتی میں ڈالتا جاتا تھا۔

مچھلیاں پکڑنے کا کام ختم کر لینے کے بعد وہ مجھے جھیل کے دوسرے کنارے کی طرف لے چلا۔ اُس طرف مجھے دفعتاً ایک شکستہ جھونپڑا نظر آیا۔ اُس کی دیوار پر سُرخ رنگ کا ایک بڑا سا کراس بن رہا تھا جو سورج کی الوداعی کرنوں میں اس طرح چمک رہا تھا گویا کسی کے لہو سے رنگا گیا ہو۔

”وہ کیا ہے؟“ اُس کی طرف اشارہ کر کے میں نے دریافت کیا۔

”وہی مقام ہے جہاں مجو ڈاز مرا تھا“ سہم کر اور اپنے اوپر کروس بناتے ہوئے اُس نے کہا کروس بنانے سے بوڑھے کا مقصد غالباً یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کا کراس اُس کی محافظت کرے۔

میں اُس کا جواب سن کر ذرا بھی پریشان نہیں ہوا۔ میں نے پھر پوچھا۔ ”جوڈاز؟ کون مجوڈاز؟“

”ایک آوارہ یہودی“ اُس نے جواب دیا۔

میں نے اس سے پورا قصہ سُننے کی خواہش ظاہر کی۔

وہ قصہ بہت ہی تازہ تھا اور اس کے ساتھ ہی سچّا بھی تھا

چنانچہ کسی کہانی کی بہ نسبت اُس کے سُننے میں بڑا مزا آیا۔ سب سے زیادہ خوبی کی بات یہ تھی کہ بوڑھا جوزف جوڈاز سے بخوبی واقف تھا اس لئے اس قصہ میں گویا جان آگئی۔

بوڑھے نے کہنا شروع کیا۔ اِس جھونپڑے میں پہلے ایک ایسی عورت رہتی تھی جس کے خاوند نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھیک مانگ کر اپنا کام چلاتی تھی۔

اُس عورت سے پہلے اس جھونپڑے میں کون آباد تھا، اس کے بارے میں بوڑھے چچا کو کچھ معلوم نہ تھا۔ شام کے وقت کی بات ہے۔ ایک دن ایک معمر شخص نے جو تقریباً دو سو برس کے سن کا رہا ہوگا اور بمشکل تمام چل پھر سکتا تھا، اس جھونپڑی کے پاس سے گذرتے ہوئے اُس تنہائی میں بسر کرنے والی عورت سے بھیک مانگی۔

"بیٹھو دادا" اُس نے اُس سے کہا۔ یہاں کی کل چیزوں پر دنیا کی ساری مخلوق کو برابری کے حقوق حاصل ہیں کیونکہ یہ سب ساری خدائی کی دین ہیں۔

دروازے کے ٹھیک سامنے ایک پتھر پڑا ہوا تھا۔ وہ بوڑھا اُسی پر بیٹھ گیا۔ تب سے وہ اُسی کے ساتھ اُسی جھونپڑے میں رہنے لگا۔ وہ اُس کی خشک روٹیوں سے حصّہ بٹاتا اور گھاس پھوس کے بستر پر دن گذارتا تھا۔ اس کے بعد اس کو چھوڑ کر وہ کہیں نہیں گیا۔ غالباً اس کے سفر کا بھی اختتام آگیا تھا۔

"دوشیزہ میری کی طرح رحم کرکے اُس نے بوڑھے کے سفرِ زندگی کا اس طرح خاتمہ کر دیا" بچا جوزف کہتے گئے — یہ اُسی عورت کی مہربانی تھی کہ ایک آوارہ یہودی کے لئے اُس نے اپنا دروازہ کھول دیا اور اُس کو پناہ دی۔ وہ آوارہ اور چاروں طرف گھومنے

والا تھا۔ قرب و جوار کے لوگوں کو پہلے تو اُس کی ان عادتوں کے بارے میں کوئی واقفیت نہ تھی۔ لیکن جب اُن لوگوں نے اسے ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے اور چکر کاٹتے ہوئے دیکھا تو انھیں یقین کامل ہو گیا کہ اسی طرح گھومنا اور پھکڑپن اُس کی عادت کا ایک جزو ہے۔

ان دونوں کو یہودی سمجھنے کے لئے معقول وجہ بھی موجود تھی۔ چونکہ اُس بڑھیا کو کبھی کسی نے گرجا میں جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اس لئے آس پاس کے لوگ اُسے یہودن سمجھتے تھے۔ چنانچہ قدرتی طور پر اُس کے یہاں ٹھہرنے والے بوڑھے کو لوگ یہودی سمجھنے لگے۔

دیہات کے چھوٹے چھوٹے بچے جب یہودن بڑھیا کو بھیک مانگنے کے لئے آتے دیکھتے تو جھنڈ کے جھنڈ اُسی کے پیچھے اکٹھے ہو جاتے اور "یہودن آئی، یہودن آئی" کہہ کہہ کر خوب شور مچاتے۔

جب بوڑھا بھی وہیں رہنے لگا تو دونوں ایک ساتھ ہی قرب جوار کے گاؤں میں بھیک مانگنے کے لئے جانے لگے۔ وے ہر دروازے پر کھڑے رہتے اور چند رٹے رٹائے بے گڑ گڑا گڑ گڑا کر سنانا شروع کر دیتے تھے۔ دن کے وقت انھیں ہر شخص گاؤں کے راستوں پر چلتا ہوا اور دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں کسی سایہ دار درخت کے نیچے بھیک سے ملے ہوئے ٹکڑوں کو کھاتا ہوا دیکھ سکتا تھا۔

اُس خطّے کے لوگ کچھ ہی دنوں میں اس یہودی کو "بوڑھا جوڈاز" کے نام سے یاد کرنے لگے۔

ایک دن اپنی جھونپڑی کو واپس ہونے کے وقت وہ اپنے تھیلے میں سور کے دو زندہ بچوں کو لایا جو کسی کسان نے اُس کو اس لئے دے

تھے کہ اُس نے اُس کی کوئی بیماری اچھی کر دی تھی۔

اس کے بعد اُس نے بھیک مانگنا بند کر دیا اور وہ اپنا سارا وقت اُن سوروں کی دیکھ بھال میں گذارنے لگا۔ وہ اُن کو جھیل کے کنارے یا آس پاس کی سرسبز وادیوں میں چرانے کے لئے لے جاتا تھا اور اس طرح اپنا وقت گذارتا تھا۔ بُڑھیا یہودن اب بھی بھیک مانگنے کے لئے نکل جاتی اور شام ہوتے ہوتے اپنے جھونپڑے پر واپس آجاتی تھی۔

بوڑھا جوڈاز بھی کبھی گرجا نہیں جاتا تھا۔ کسی نے کبھی اُسے مذہب کا ذکر بھی کرتے ہوئے نہ سُنا تھا۔ اُس کی ان باتوں کو لیکر ہر روز عوام میں طرح طرح باتیں ہوتیں۔ ایک دن اُس کی دستگیر بُڑھیا کو سخت بخار آیا اور ہوا میں اُڑنے والے پتے کی طرح وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ جوڈاز دوڑا دوڑا پاس کے گاؤں میں گیا اور اُس کے لئے کچھ دوائیں لایا۔ اُس نے جھونپڑی کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کچھ دن تک کسی کو دکھلائی نہ دیا۔

"یہودن" کا آخری وقت قریب ہے یہ سن کر گاؤں کا پادری آخری بار دھرم کا اُپدیش دینے کے لئے دوڑا ہوا آیا۔ وہ یہودن ہی تھی یا کوئی اور یہ بھی وہ ٹھیک سے نہ جانتا تھا۔ وہ کوئی بھی رہی ہو، پھر بھی اُس کو نجات دلانا اپنا فرض سمجھ کر وہ بھاگا ہوا اُس کے پاس آیا تھا۔

جوں ہی اُس نے دروازہ کھٹکھٹایا، بوڑھے جوڈاز نے کواڑ کھول دئے۔ اس کے بعد وہ راستہ روک کر دہلیز پر کھڑا ہو گیا۔ بوڑھے کا دم پھول رہا تھا اور آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ اُس کی لمبی اور سفید داڑھی زور سے ہل رہی تھی۔ اور کسی غیر زبان میں وہ گالیاں بک رہا تھا۔

پادری نے کچھ کہنا چاہا۔ روپیہ، پیسہ اور ہر بات سے مدد دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن بوڑھا جوڈاز سب کچھ سُنی اَن سُنی کر کے دونوں ہاتھوں کو زور سے پھینک پھینک کر اُسے اُسی طرح کوستا ہی رہا۔

بوڑھے کی ناقابل برداشت پھٹکار سُن کر بیچارہ پادری اُلٹے پاؤں لوٹ آیا۔

جوڈاز کی رفیقہ دوسرے دن اس جہان سے رخصت ہو گئی۔ جھونپڑی کے سامنے ہی اُس نے اُسے دفن کر دیا۔ وہ لوگ اتنے پست تھے کہ آس پاس کے لوگ اُن سے کسی طرح کا سروکار نہیں رکھتے تھے۔

لوگوں نے پھر دیکھا کہ جوڈاز نے سوروں کے چرانے کا اپنا کام پھر باقاعدہ طور پر شروع کر دیا۔ وہ پہلے کی طرح بھیک مانگنے بھی نکل جاتا لیکن اب اُسے کوئی چیز بڑی مشکلوں کے بعد ملتی تھی۔ کیونکہ پادری کے ساتھ اُس کے ناروا سلوک کا چرچا ہر گھر کے لوگوں کی زبان پر تھا۔

آخر کار اُس نے ان سب کاموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور کہیں غائب ہو گیا۔ یہ واقعہ ایسٹر کے ہفتہ میں پیش آیا۔ کسی نے بھی اُس کے اس طرح سے غائب ہو جانے کی طرف توجہ نہ کی۔ ایسٹر کے اتوار کی بات ہے۔ کچھ لڑکے لڑکیاں جھیل کے کنارے کنارے کھیلتی کودتی ہوئیں اُس جھونپڑی کی اور نکل پڑی تھیں۔ اُن لوگوں کو جھونپڑی میں زور کا شور و غل سُنائی پڑا۔ قفل لگا ہوا تھا لیکن لڑکے اُسے توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ دو نوں سور جیل خانہ سے چھوٹے ہوئے قیدی کی طرح نکل بھاگے اور پھر کبھی نہ دکھائی پڑے۔

بچوں کا گروہ اندر داخل ہو گیا۔ فرش پر اُنھوں نے کچھ چیتھڑے پڑے دیکھے۔ بوڑھے جوڈاز کا ٹوپ ایک طرف لٹک رہا تھا۔ کچھ ہڈیاں اِدھر اُدھر بکھر رہی تھیں۔ خون کے دھبے سوکھ رہے تھے اور کھوپڑی کے گڈھوں میں گوشت لگا ہوا تھا۔

اُس کے سوروں نے اُسے اپنی خوراک بنا لیا تھا۔

یہ واقعہ "گُڈ فرائی ڈے" کے دن دوپہر میں تین بجے کے قریب پیش آیا۔

اپنے قصّہ کو ختم کرتے ہوئے بوڑھے جوزف نے کہا۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم؟" میں نے دریافت کیا۔

"اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں" اُس نے جواب دیا۔

میں نے اُس کو یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ یہ بھی ممکن تھا کہ جھونپڑی میں مالک کی وفات کی کچھ ہی عرصہ بعد بھوکے سوروں نے اسے کھالیا ہو۔

دیوار پر جو کروس نظر آرہا تھا، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اچانک ہی وہ ایک دن صبح اُسی جگہ اس انوکھے رنگ سے بنایا ہوا نظر آیا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا بنانے والا کون ہے۔

تب سے ہر ایک کو یقین ہو گیا تھا کہ چکر لگانے والے یہودی نے اُسی مقام پر موت کو ہم آغوش کیا ہے۔

میں خود بھی اس قصّہ کی سچائی پر تقریباً ایک گھنٹے تک یقین کرتا رہا۔

بدنصیب روی

ڈیڈی ٹیلی کے تین لڑکیاں تھیں۔ سب سے بڑی کا نام تھا انّا جس کا گھر میں کوئی شمار نہ تھا۔ دوسری کا نام روز تھا جو اٹھارہ برس کی تھی اور پندرہ برس کی عمر والی سب سے چھوٹی کا نام کلیرا تھا۔

بوڑھے ٹیلی کی رفیقۂ حیات کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ موشیے لبرونٹ کی بٹن بنانے والی فیکٹری میں فورزمین* کا کام کرتا تھا۔ وہ بہت ہی ایماندار کام کو سوچ سمجھ کر کرنے والا اور قاعدہ کی پابندی کرنے والا آدمی تھا۔ خلاصہ یہ کہ وہ ایک نمونہ کا مزدور تھا۔ ہُواورے نامی محلّہ میں وہ رہتا تھا۔

انّا کا گھر سے بھاگنا سُن کر بوڑھا ٹیلی جامہ سے باہر ہو گیا۔ کپڑوں کی ایک بڑی دوکان پر منیم کا کام کرنے والے ایک آدمی پر اسکو شک ہُوا اور بوڑھے نے اُسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب بوڑھے کو پاس پڑوس کے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ انّا سرکاری نوکری میں ہے اور باقاعدہ طور سے پیسہ پیدا کر کے زندگی گذار رہی ہے اور اب اُسے کوئی آوارہ نہیں کہہ سکتا، اتنا ہی نہیں بلکہ اب تو وہ تاجروں کی عدالت کے جج موشیے ڈیوبویس کی دوست بن گئی ہے تب تو بوڑھے کا سارا غصّہ کافور ہو گیا۔

اتنے ہی سے بوڑھے کو اطمینان نہ ہوا بلکہ اس کی انّا کے بارے میں اور زیادہ جاننے کی خواہش زبردست ہو اُٹھی۔ اُس نے اُس کے

---

* فیکٹری کے مزدوروں کا نگراں۔

چند پرانے ساتھیوں سے جو اُس کے یہاں ہو آئے تھے، اُس کا حال چال معلوم کرنے کی ٹھانی۔ دوستوں نے جب اناؔ کے بسے سجائے مکان، عیش و عشرت کے سامان، امیرانہ زندگی کا بڑے ٹھاٹ سے ذکر کیا تب تو بوڑھے ٹیلی کا چہرہ غرور اور خوشی کے جذبات سے متاثر ہو کر کھِل اُٹھا۔ آج جبکہ وہ تیس سال سے کماتے کماتے مَر کھپ کر بھی پانچ یا چھ ہزار فرانک* ہی جمع کر سکا تو تقریباً اتنی ہی لاگت کا سامان آسائش نسبتاً اُس سے بہت کم عرصہ میں جمع کرنے والی اناؔ کی سوجھ اور سمجھ میں اُسے شک کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہی۔

ایک دن علی الصباح گاؤں کے دوسرے کنارے پر رہنے والے اور پیپہ بنانے کا روزگار کرنے والے 'لُوچارڈ' کا لڑکا ٹیلی کے پاس آیا اور دوسری لڑکی روزؔ سے شادی کرنے کی پیشکش کی۔ بوڑھے ٹیلی کا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ چونکہ لُوچارڈ خاندان بہت ہی معزز اور دولت مند تھا اس لئے بوڑھے کو یقین ہو گیا کہ اپنی لڑکیوں کو پا کر وہ بلاشبہ خوش قسمت ہے۔

شادی طے ہو گئی اور دونوں طرف سے طے ہوا کہ خوب دھوم دھام کے ساتھ بیاہ کیا جائے۔ سینٹ ایڈرسی کے ایک مشہور ہوٹل میں انھوں نے دعوت دینا طے کیا، خواہ اس کام میں ان کا سارا اندوختہ ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ایک دن صبح کے وقت بوڑھا ٹیلی جیوں ہی اپنی دونوں لڑکیوں کو لے کر ناشتہ کرنے بیٹھ رہا تھا، دفعتاً اس کے گھر کا دروازہ کھلا اور اناؔ داخل ہوئی۔ وہ اچھی طرح سنگار کئے ہوئے تھی اور بہت ہی خوبصورت نظر آتی تھی۔

---

* فرانس کا ایک سکہ۔

بوڑھا ٹیلی کچھ کہے نہ کہے اُس کے پہلے ہی اُس نے اپنے دونوں بازو بوڑھے کے گلے میں حمائل کر دئے۔ اس کے بعد آبدیدہ ہو کر اپنی بہن کو دونوں ہاتھوں سے کس کر چھاتی سے لگا لیا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے لئے بھی ناشتہ کی ایک طشتری منگوائی تا کہ وہ بھی اپنے کنبہ والوں کے ساتھ کھانے پینے کا لطف اُٹھا سکے۔

بوڑھے ٹیلی کی آنکھوں میں خوشی کے مارے آنسو آ گئے۔ "سچ سچ میں" اُس نے کئی بار دُہرایا "یہ سچ ہے پیاری یہ سچ ہے"۔

تب اُس نے اپنا سارا قصہ بیان کیا اور سینٹ رایڈسی جا کر روزؔ کی شادی کرنے کے بارے میں اُس نے سخت مخالفت کی۔ اُس نے بوڑھے کو سمجھایا کہ شادی میرے گھر سے کی جائے اور اس کا سارا خرچ میں خود برداشت کروں گی اُس نے یہ بھی کہا کہ ساری تیاریاں میں نے کر لی ہیں اور اب کچھ بھی کرنا یا کہنا نہیں ہے۔

بوڑھا ٹیلی تو اس بات پر راضی ہو گیا لیکن بعد میں اُس کو شک ہوا کہ خاندان لُوچارڈ بھی اس بات سے متفق ہو گا یا نہیں۔ روزؔ اس بات کو سُن کر چکرائی اور پوچھنے لگی "اُن لوگوں کو اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ آپ لوگ یہ کام میرے ذمّہ چھوڑ دیں۔ مَیں اس بارے میں فلپ سے بات چیت کر دوں گی"۔

اس نے اُسی دن اس بارے میں اپنے چاہنے والے سے مشورہ کیا اور بڑی آسانی کے ساتھ منظوری حاصل کر لی۔ قدرتی طور پر مسٹر اور مسز لُوچارڈ بھی بہت ہی خوش ہوئے۔ اس طرح اُن لوگوں پر سے ایک بہت بڑی ذمّہ داری ٹل گئی اور عمدہ دعوت ملنے کی اُمید بھی بندھ گئی۔ انھوں نے فلپ سے کہا۔ "تم پورا یقین کر لو کہ ہر چیز اعلیٰ درجہ کی ہو گی"۔

انھیں کے پڑوس میں ایک جگہ کھانا پکانے والی ان کی ایک دوست

مسز فلورنس کو بھی انھوں نے مدعو کرنے کے لئے کہا۔ اَنّا نے اُن کی ساری شرطیں منظور کر لیں۔

مہینہ کے آخری دوشنبہ کے دن شادی طے ہوئی۔

(۲)

مذہبی اور قانونی مراسم کی ادائیگی کے بعد برات اَنّا کے گھر پہنچی۔ خاندان ٹیلی کے مدعو مہمانوں میں بوڑھے ٹیلی کے ایک بھتیجے موشیئے ساوٹمن بھی تھے۔ موشیئے ساوٹمن ہمیشہ فلسفیانہ خیالات میں غرق رہنے والے سنجیدہ مزاج کے بزرگ تھے۔ مسز لیمانڈ اس نام کی ایک سن رسیدہ چاچی بھی مدعو کی گئی تھیں۔ ساری جماعت میں موشیئے ساوٹمن اور انا ہی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

جیوں ہی وہ لوگ اَنّا کے دروازے پر پہنچے، وہ اپنے ساتھی کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگی اور کہتی گئی۔ "میں تمھیں راستہ بتاؤں گی۔" اور اتنا کہتے کہتے جب تک براتی لوگ دھیرے دھیرے اُس کی تقلید کرتے ہیں، وہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔

اوپر پہنچ کر وہ ایک کونے میں کھڑی ہو کر آنے والوں کا استقبال کرتی جاتی تھی اور انھیں کمرے کا راستہ بتاتی جاتی تھی۔

برات کا ہر شخص جیوں ہی کمرے میں داخل ہوتا، چاروں طرف متحیر ہو کر دیکھنے لگتا تھا اور کمرے کی زینت نیز اَنّا کا امیرانہ ٹھاٹ باٹ دیکھ کر چونک اٹھتا تھا۔

بجے سجائے ڈرائنگ روم ہی میں کھانے کی میزیں بھی لگائی گئی تھیں کیونکہ اتنے لوگوں کے بیٹھنے کے لئے کھانے کا کمرہ چھوٹا تھا۔ زائد کانٹے، چمچے اور چھریاں پاس ہی کے ایک ہوٹل سے مانگ لی گئی تھیں۔ کھڑکیوں میں سے آنے والی شعاعوں میں شراب کی بھری بھرائی بوتلیں جھپا رہی تھیں۔

عورتوں نے سب سے پہلے آرام کرنے والے کمرے میں جاکر اپنے اپنے شال اور ٹوپ اُتار کر رکھے اور پھر ڈرائنگ روم میں واپس آگئیں۔ دولہے کے والد مسٹر ٹوچارڈ نے (جو کہ دروازے پر کھڑے تھے) نہ معلوم کتنی طرح سے چٹک مٹک کر کمر لچکا کر، ہاتھ ہلا کر اور آنکھیں مٹکا کر آنے والے لوگوں کا دل بہلایا۔ بوڑھا ٹیلی جس کا سینہ اُس وقت مارے غرور کے پھول کر گز بھر کا ہو رہا تھا۔ والد ہونے کے غرور سے تنا ہوا تھا، ایک ہاتھ میں اپنا ٹوپ لئے کمرے میں جاکر اپنی لڑکی کی شان شوکت کو دیکھ کر پھولا جا رہا تھا اور ہر چیز کو بڑے غور سے دیکھ کر جانچ رہا تھا۔

اَنّا اِدھر اُدھر دوڑ کر دعوت کی ضروری چیزوں کے لئے نوکروں کو حکم دے رہی تھی اور جلدی مچا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کھانے کے کمرہ کے دروازے پر نظر آئی اور زور سے چلائی "لمحہ بھر کے لئے آپ لوگ ادھر آیئے۔"

بارہوں مدعو اشخاص اُس کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک چھوٹی سی میز پر عمدہ شراب کے بارہ گلاس بھرے رکھے ہوئے تھے۔

روز اور اس کا شوہر دونوں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اور رہ رہ کر ایک دوسرے کا بوسہ بھی لیتے تھے۔ موشیئے ساوٹمن ایک ٹک اَنّا کو دیکھ رہے تھے وہ سب لوگ بیٹھ گئے اور شادی کی دعوت شروع ہوئی۔ میز کی طرف سب رشتے دار بیٹھ رہے تھے اور دوسری طرف نوجوانوں کی ٹولی۔ دولہے کی ماں مسز ٹوچارڈ داہنی طرف وسط میں بیٹھ کر رہنمائی کر رہی تھیں۔ ان کی بائیں طرف دولھا بیٹھا ہوا تھا۔

اَنّا سب کی ضرورتوں کا بنظر غائر مطالعہ کرتی جاتی تھی۔ مہمان اپنے اعزاز میں سجائے گئے کمرے اور پارٹی میں ملنے والے طرح طرح کے کھانوں کو دیکھ کر پھولے نہ سماتے تھے۔ ان لوگوں نے خوب آسودہ ہو کر کھانا تو

کھایا لیکن ہنسی مذاق کا کوئی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے سب کچھ شاندار ہونے پر بھی انھیں ایک کمی نظر آتی تھی۔"

ہنس مکھ مسز ٹوچارڈ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کھانا شروع ہونے سے پیشتر ہی کہا تھا۔ "فلپ اس موقع پر تم کوئی گیت ضرور گاؤ۔" ان کے محلہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ فلپ کی آواز بہت سریلی ہے۔

دولھا مسکراتا ہوا اُٹھا اور اپنی سالی کی طرف دیکھ کر حسب موقع و محل کوئی ایسا گیت سوچنے لگا جو دعوت کے کھانے کو اور بھی مزیدار بنادے۔ اناکے چہرے پر اطمینان کی جھلک تھی لوگ گانا سننے کے لئے ہمہ تن گوش بن کر تیار تھے اگر ہنسنے کا موقع آجائے تو اس کے لئے بھی لوگ تیار تھے۔

گانے والے نے گانے کا نام بتایا "بدنصیب روٹی" اور اپنا داہنا ہاتھ اُٹھا کر طرح طرح کے اشارے کرکے وہ گانے لگا۔ درحقیقت وہ بڑا لمبا گانا تھا جس میں آٹھ آٹھ لائنوں کے تین بند تھے۔ آخری دو لائنیں دوبار دُہرا کر کہی گئی تھیں۔ جب تک اُس نے پہلے دو بند گائے اسامعین پر اس کا خاصہ اثر ہوچکا تھا۔ ان دونوں بندوں میں بالترتیب بے ایمانی اور ایمانداری سے روٹی کمانے کے طور طریقوں پر روشنی ڈالی گئی تھی بوڑھی چاچی اور دولھن لگاتار آنسو بہارہی تھیں۔ پہلے بند کے پورا ہونے پر کھانا بنانے والی ایک ٹک اپنے ہاتھ کے کاغذوں کو پاگلوں کی طرح دیکھتی رہ گئی جسے دیکھ کر دوسرے لوگ تالیاں بجانے لگے۔ دوسرے بند کے ختم ہونے پر دیوار کے سہارے کھڑے ہونے والے دو نوکروں نے بھی جذبات کی فراوانی سے مجبور ہوکر گانے والے کا ساتھ دینا شروع کردیا۔ دولھن اور چاچی دونوں ابھی تک پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ ڈیڈی ٹیلی نے اپنی ناک سے ایک عجیب و غریب آواز نکالنی شروع کردی اور بوڑھے مسٹر ٹوچارڈ بھی کچھ بکنے سے لگے۔ کھانا بنانے والی بھی آپ چُپکے چُپکے رونے لگی۔

موشیے ساوٹمن نے جذبات سے متاثر ہوکر کہا۔ "درحقیقت اسی کو گانا کہتے ہیں۔ عام طور پر ایسے موقعوں پر جو گندی اور بھدّی باتیں سُنی سُنائی جاتی ہیں اُن کی بہ نسبت یہ گانا کتنا بلند پایہ اور موثر ہے"

دیکھنے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انا بھی بے حد متاثر ہوچکی تھی۔ اُس نے اپنا اور اپنی بہن کا ہاتھ چوم لیا اور پھر اُس کے گانے والے شوہر کی طرف اشارہ کیا گویا وہ ایسا شوہر پانے پر اُسے مبارکباد دے رہی ہے۔

اپنی کامیابی کے نشہ میں چور ہوکر فلپ گاتا چلا جا رہا تھا۔ آخری بند میں "نوجوان لڑکیوں کے ذریعہ بے ایمانی سے روٹی کمانے" کا ذکر تھا۔ اس دل خراش بند کو گاتے وقت بوڑھے ٹوچارڈ اور دونوں نوکروں کے علاوہ کسی نے اُس کا ساتھ نہیں دیا۔ انا کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا اور اُس نے نگاہیں جُھکا لیں دولھن بھوچکّی سی سب لوگوں کا مُنہ دیکھ رہی تھی۔ یکایک ماحول کے اس طرح بدل جانے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

موشیے ساوٹمن نے حالات پر قابو پانے کے خیال سے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یہ آخری بند بالکل غیر ضروری ہے" ڈیڈی ٹیلی اشتعال کی وجہ سے جن کے کان تک سُرخ ہو رہے تھے چاروں طرف پار ہوجانے والی نگاہیں پھینک رہے تھے۔ تب انا نے اُمڈتے ہوئے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے نوکروں سے شمپین لانے کو کہا۔

پھر ایک بار مہمانوں کے چہرے خوشی کے مارے کِھل اُٹھے۔ لیکن

بوڑھے ٹوچارڈ پر کچھ اور ہی سنک سوار تھی - اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ کمرے میں کیا ہو رہا ہے - اپنی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے اُس نے گانے کی آخری لائنوں کو مستی کے ساتھ گایا - "بچو، اُس روٹی کو نہ کھانے کے لئے میں تم سب کو آگاہ کر رہا ہوں۔"

سُنہرے کاغذوں میں لپٹی ہوئی سمپیئن کی بوتلوں کو لاتے ہوئے دیکھ کر سب لوگ یکایک وہی سطریں دُہرانے لگے گویا اُنھیں بجلی چھو گئی ہو -

"بچو! اُس روٹی کو نہ کھانے کے لئے میں تم سب کو آگاہ کئے دیتا ہوں۔"

اُس نے ناموری کیسے حاصل کی

کچھ لوگ ناموری کی ایسی زبردست اور پیدائشی خواہش لیکر پیدا ہوتے ہیں کہ جیوں ہی وہ کچھ سوچنے، سمجھنے اور کرنے کے قابل ہوئے دوسروں کی نظروں میں اونچا اُٹھنے اور اُن سے عزت پانے کے متمنی نظر آنے لگتے ہیں -

موشیے کیلارڈ کی بچپن ہی سے یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے آپ کو عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی پوشاک پہنے دیکھے - جب وہ بہت ہی چھوٹا تھا تبھی طرح طرح کے نقلی تمغوں سے اپنی چھاتی ڈھک کر وہی فخر محسوس کرتا تھا - جو کچھ لڑکے بچپن ہی میں سپاہیانہ ٹوپی لگا کر کرتے ہیں - اپنی ماں کے ساتھ جب وہ بازار جاتا تب اُس کی آنکھوں سے خودداری کا اظہار ہوتا تھا - اپنی چھوٹی سی چھاتی پھلا کر وہ اس طرح چلتا تھا کہ اس کے تمغے اور لال فیتے، نمائش کی چیزیں بن جائیں اور لوگ کسی طرح متاثر ہوں -

بہ حیثیت ایک طالب علم وہ ہمیشہ ناکامیاب رہا - بی - اے کے امتحان میں جب وہ کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا تو اُس نے اپنی تعلیم وہیں پر ختم کر دی - جب اُسے کچھ بھی نہ سوجھا کہ آئندہ کے لئے کیا کرنا چاہیئے تب ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر اُس سے بیاہ کر لیا - اُسے کچھ کرنے کرانے کی فکر نہ تھی کیونکہ ترکۂ پدری میں بہت کچھ اُس کے ہاتھ آیا تھا -

اوسط درجہ کے دوسرے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی پیرس میں اس طرح

مگن رہ کر اپنی زندگی بسر کر رہے تھے کہ انھیں نہ تو بیرونی دنیا کا کچھ پتہ تھا اور نہ انھیں اس کی پرواہ ہی تھی۔ چند سرکاری افسروں کی دوستی پر اُنھیں بڑا ناز تھا کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اُن کے دوست افسروں میں سے بعض کسی نہ کسی دن ملکی وزارت کے رکن بھی بن سکتے ہیں۔ صوبجاتی حاکموں میں سے بھی کچھ سے اُن کی دوستی تھی لیکن اس کے باوجود موشیئے کیلارڈ کو ایک خیال پریشان کئے رہتا تھا۔ اُسکو ہمیشہ اس بات کا کھٹکا رہتا تھا کہ اپنے کوٹ پر ریشمی فیتہ لگانے کا (جو شاہی نشان تھا) اس کو حق نہیں تھا۔ شام کو ہوا خوری کے لئے جاتے ہوئے ٹھنڈی سڑک پر جب کبھی ایسے لوگوں سے اُس کا سامنا ہو جاتا جنھیں حکومت کی طرف سے اس طرح کے اعزاز حاصل تھے تو وہ اُن کی طرف گھور کر دیکھتا اور جل بھن کر رہ جاتا تھا۔ دوپہر کے وقت کبھی کبھی جب اُسے کوئی کام نہ رہتا تھا تو وہ ایسے لوگوں کو شمار کرنے لگتا تھا۔ کبھی اُسے خبط سوار ہو جاتا اور وہ اپنے آپ ہی کہنے لگتا "دیکھنا چاہیے کہ مڈلین اور راڈراٹ کے درمیان مجھے ایسے اعزاز والے کتنے لوگ ملتے ہیں۔" اور اپنی اُسی دُھن میں وہ دھیرے دھیرے ان سڑکوں پر چلنا شروع کر دیتا تھا اور ہر ایک کے کوٹ کو غور سے دیکھتا جاتا تھا۔ جب وہ اُن سڑکوں کے دوسرے کنارے پر پہنچ جاتا تو اپنی گنتی کی تعداد کو زور سے کہتا۔ "آٹھ افسر اور سترہ نائٹ! اوہ کتنے زیادہ!! اتنا دل کھول کر خطابوں کی بارش کرنے کو بیوقوفی ہی کہیں گے۔ مجھے تعجب ہے واپسی کے وقت اسی طرح کے نہ جانے کتنے لوگ اور ملیں گے!"

اور وہ بیچارہ اُسی طرح دھیرے دھیرے اور گرفتہ دل ہو کر واپس لوٹتا۔

اُسے وہ جگہیں اچھی طرح معلوم تھیں جہاں زیادہ تر ایسے معزز لوگ رہتے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ پیلیس رائل میں ایسے لوگ کافی تعداد میں آباد ہیں۔ رادلا پیس میں وہ ایوینیو دال اپیرا سے زیادہ تعداد میں ہیں۔ اور ٹھنڈی سڑک کے داہنے بازو پر وہ بائیں بازو سے زیادہ چلتے ہیں۔

ان لوگوں کو جو جو تھیٹر اور "کافی گھر" پسند تھے۔ کیلارڈ کے پاس اُن کا بھی حساب کتاب تھا۔ جب وہ کچھ مُسن لوگوں کو بیچ سڑک کے چبوترے پر کہیں کھڑے ہو کر آنے جانے والے لوگوں کا جائزہ لیتے اور اُن کی نگرانی کرتے دیکھتا تو اپنے آپ کہنے لگتا "بے شک یہ لوگ حکومت کی طرف سے اعزاز پانے والے افسر ہیں" اس کے بعد اپنی ٹوپی اُتار کر وہ اُنکی عزت افزائی کرتا تھا۔

اُس کی جزورس نگاہوں نے اس بات کا بھی پتہ لگا لیا تھا کہ جو لوگ محض نائٹ ہیں اُن میں اور اس طرح کا اعزاز پانے والوں میں کیا فرق ہے۔ اُس نے معلوم کر لیا تھا کہ عوام کے دلوں پر افسروں کی دھاک جمی ہوئی ہے اور لوگ انھیں زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بعض اوقات تو وہ غریب ہر ایک اعزاز پانے والے آدمی دیکھ کر چڑھ جاتا تھا۔ جس طرح مالداروں کو دیکھ کر سوشلسٹ بگڑ اُٹھتے ہیں، ٹھیک ویسے ہی خیالات موشیئے کیلارڈ کے بھی ہو جاتے تھے۔ جب وہ بہت سے اعزاز پائے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر بھنّایا ہوا گھر کی طرف لوٹتا۔ تب اُس کی ٹھیک وہی حالت رہتی تھی جو ایک مجبور اور بے کس بھوکے غریب کی طرح طرح

کی مٹھائیوں سے سجی ہوئی کسی دُکان کے پاس سے ہاتھ ملتے ہوئے گذرنے پر رہتی ہے۔ وہ گھر آنے پر تنگ کر اپنی بیوی سے پوچھتا "آہ اس اندھی سرکار سے کب نجات ملے گی؟"

اور اس کی بیوی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھتی ہوئی پوچھتی "اور آج تمھیں ہو کیا گیا ہے؟"

"ہمارے آس پاس روزانہ چلنے والے انصاف کے کھلونوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے" وہ جواب دیتا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ پھر شہر کا چکر لگانے نکلتا اور شاہی اعزاز اور تمغے فروخت کرنے والی دُکانوں کو دیکھنے میں وقت برباد کرتا۔ طرح طرح کے فیتوں اور اعزازی گاؤن کو دیکھ کر اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ اگر وہ بھی اُن سب کو پہن سکتا تو کسی شاہی جلوس کے موقعہ پر وہ کیسی شان شوکت کے ساتھ سب کے آگے آگے چلتا۔ اُس وقت اُس کا ٹوپ اُس کی بغل میں دبا ہوتا۔ طرح طرح کے اعزازی تمغوں سے اُس کا چوڑا سینہ ڈھکا ہوا ہوتا۔ وہ بھی آسمان میں چمکنے والے بڑے روشن ستارہ کی طرح اُس مجمع میں اپنا ثانی نہ رکھتا۔ اُس کے لباس اور شاہی تمغوں کو دیکھ کر لوگ کانوں ہی کان اُس کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے اور اس کی تعریف کرتے ہوئے اپنے دل میں اُسے جگہ دیتے۔ لیکن افسوس اُسے کسی طرح کا گاؤن پہننے یا فیتہ لگانے کا حق نہ تھا۔

وہ اپنے آپ ہی کہہ اُٹھتا۔ کیا پبلک کی خدمت کئے بغیر بچ کوئی اعزاز حاصل نہیں کر سکتا؟ فرض کر لو کہ میں دارالامرا کا رکن بننا چاہتا ہوں، تب؟

لیکن اُس غریب کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔ بالآخر مجبور ہو کر وہ اپنی بیوی کو سارا قصہ کہہ سناتا تھا۔

دارالامرا کی رُکنیت! تم کس بوتے پر اُس کی اُمید کرتے ہو؟" وہ چونک کر پوچھتی وہ جھنجھلا اُٹھتا "میں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں! تمھاری صلاح میں اس لئے لے رہا ہوں کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے کون سا ذریعہ اختیار کیا جائے۔ لیکن کبھی کبھی تو تم ایک دم سے بیوقوف عورتوں کی طرح بات کرنے لگتی ہو"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اس بارے میں ذرا بھی واقفیت نہیں" مسکرا کر وہ جواب دیتی۔

اُسے ایک ترکیب سوجھی۔ وہ کہنے لگا "اچھا تم دارالامرا کے نائب وزیر موشئے روسیلین سے اس بارے میں تذکرہ کرو تو کیسا؟ ممکن ہے وہ کوئی راستہ بتا سکیں۔ تم اتنا تو جانتی ہی ہو کہ میں بذات خود اس بارے میں اُن سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کچھ کہنا ناممکن بھی ہے اور اس کے ساتھ ہی خلاف مصلحت بھی۔ لیکن اگر تم تذکرہ کرو گی تو وہ ایک طرح سے حق بجانب بھی سمجھا جائیگا۔

اس کے بعد مسز کیلارڈ نے تذکرہ کیا اور موشئے روسیلین نے اس بات کو وزارت کے سامنے پیش کرنے کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد موشئے کیلارڈ انھیں اُس وقت تک پریشان کرتا رہا جب تک کہ نائب وزیر روسیلین نے انھیں باقاعدہ طور پر ایک عرضی پیش کرنے کو اور اُس کے ذریعہ مطلوبہ شاہی اعزاز کے لئے اپنے دعوٰی کے ثبوت میں دلیل پیش کرنے کو نہ کہا۔

"میں کس طرح اعزاز حاصل کرنے کا دعوٰی کر سکتا ہوں؟ میں ایک گریجویٹ بھی تو نہیں ہوں" اُس نے کہا۔ تاہم اُس نے اس بارے میں کوشش کرنا طے کیا۔ بڑی دیر تک مغز لڑانے کے بعد اُس نے ایک پمفلٹ چھپوانا طے کیا جس کا نام رکھا گیا "نظام حکومت

میں عوام کی رہنمائی۔ لیکن علمی قابلیت کی کمی ہونے کی وجہ سے وہ اسے پایۂ تکمیل کو نہ پہونچا سکا۔

تب اُس نے معمولی اور روزمرّہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں لکھنا طے کیا۔ اُس نے جلد ہی اپنا کام شروع بھی کر دیا سب سے پہلے اُس نے ایک رسالہ لکھا "مناظر کے ذریعہ بچّوں کی تعلیم۔ اُس کی اس اسکیم میں شہر پیرس کی غریب آبادی میں بچّوں کے لئے ایسے سینما گھر بنانے پر زور دیا گیا تھا جہاں اُن کو جادو کی لالٹین (میجک لینٹرن) کے ذریعہ بلا فیس تعلیم دی جاتی۔ تعلیم کے لئے ایک نصاب مقرّر کیا گیا۔ بُنیادی خیال یہ تھا کہ بچّہ اُن مناظر کو دیکھے گا اور اس سے اُس کے دماغ کی نشو و نما ہوگی۔ اس طرح بچّوں کو تاریخ، جغرافیہ، علم نباتات، حیوانات، علم البدن وغیرہ مضامین کی تعلیم آسانی سے دی جا سکے گی۔

اُس نے اپنے ان خیالات کو چھپوا کر ایک چھوٹا سا رسالہ بنوا لیا اور اس کی کاپیاں عوام میں تقسیم کر دیں۔ ہر ایک وزیر کو اُس کی دس دس کاپیاں۔ وزیر اعظم کو پچاس کاپیاں اور ہر ایک اخبار کے ایڈیٹر کے پاس پانچ پانچ کاپیاں بھیجی گئیں۔

اس کے بعد اُس نے "چلتے پھرتے کتب خانوں کے بارے میں لکھنا شروع کیا۔ اُس نے اسکیم پیش کی کہ کتابوں کو گاڑیوں پر لاد کر سرکاری نوکر گلی گلی چکّر لگائیں۔ ہر ایک شہری کو ایک مہینہ میں دس کتابیں لینے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے بدلے میں اُسے صرف آدھ پنس ماہوار چندہ دینا پڑے گا۔

اُس کے ان خیالات کو پڑھ کر وہ لوگ بھی اس اسکیم سے دلچسپی لینے لگیں گے جو آرام کی نیند چھوڑ کر لائبریری تک جانے کی

تکلیف گوارا نہیں کرتے جب لوگوں کو گھر بیٹھے عمدہ سے عمدہ کتابیں پڑھنے کو ملیں گی تو ضرور ہی ایسے کتب خانے بہت ہی مفید ثابت ہوں گے۔ کچھ اسی طرح کے خیالات سے متاثر ہو کر اُس کی یہ اسکیم تیار کی گئی تھی۔

کہنا نہ ہوگا کہ اُس کی یہ کوشش اراکین سلطنت کو اپنی طرف بالکل متوجہ نہ کر سکیں وہ بار بار اسی طرح کی اسکیمیں پیش کرتا اور اُسے صاف جواب مل جاتا۔ لیکن پھر بھی اُسے اپنی کامیابی میں کوئی شبہ نہ تھا۔

تب اُس نے خود جا کر اپنا معاملہ پیش کرنے کا تہیّہ کیا۔ وزیر تعلیم سے اُس نے ملنے کے لئے وقت مانگا اور اُسے وقت دیا بھی گیا۔ لیکن وزیر تعلیم کے بدلے اُسے اُن کے نائب، ایک نوجوان اہلکار سے ہی ملنا پڑا۔ وہ اہلکار ایک بہت ہی سنجیدہ قسم کا انسان تھا اور ان کا عہدہ بھی بڑی ذمّہ داری کا تھا۔ موشیے کیلارڈ سے اُس نے کہا "آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ قابل اطمینان ہے۔ اور آپ اپنا کام جاری رکھئے۔ چنانچہ موشیے کیلارڈ اپنے کام میں پھر منہمک نظر آنے لگا۔

نائب وزیر موشیے روسیلین بھی اب اُس کے کاموں سے بڑی دلچسپی لینے لگے۔ کبھی کبھی وہ اُس کو مفید مشورے بھی دیتے تھے۔ روسیلین ایک معزز سرکاری عہدہ دار تھے۔ اگرچہ یہ بات کسی کو معلوم نہ تھی کہ انھوں نے کون سی ایسی اہم خدمات انجام دی تھیں جن کی بدولت انھیں ایسا ذمہ داری کا عہدہ دیا گیا تھا۔

انھوں نے کیلارڈ کو حصول مقصد کے نئے نئے طریقے بھی بتائے ماہرین کی کئی ایسی سوسائیٹیوں سے اُس کا تعارف کرایا جنھوں نے

سائنس کی حیرت انگیز ایجادات کو روشنی میں لاکر شہرت اور عزت حاصل کرنا ہی اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ اتنا ہی نہیں اپنی آرڈر میں وہ اُسے ایوان تک لے گئے۔

ایک دن جب ناشتہ کرنے کے لئے موشئے ردیلین اپنے دوست کیلارڈ کے یہاں آئے (گذشتہ کئی مہینوں سے وہ مسلسل وہیں کھانا کھا رہے تھے) تو اُس سے ہاتھ ملاتے ہی آہستہ سے کان میں کہا۔ میں نے تمہاری بڑی سفارش کی ہے تاریخی تحقیقات کرنے والی کمیٹی نے ایک بڑی ذمہ داری کا کام تمہارے سپرد کرنے کے بارے میں سوچا ہے۔ ملک فرانس کے مختلف کتب خانوں میں کچھ ریسرچ کرنا ہے۔"

اس بات کو سُن کر کیلارڈ اتنا زیادہ خوش ہوا کہ کھانا پینا بھی بھول گیا۔ ایک ہفتہ بعد وہ اپنے کام پر روانہ ہو گیا۔ گاؤں گاؤں میں جاکر وہ لائبریریوں کی فہرست کتب کو دیکھتا۔ بڑی بڑی اور ضخیم کتابوں سے بھری ہوئی الماریوں کو وہ بڑے غور سے دیکھتا اور مختلف علوم و فنون کی کس لائبریری میں کتنی کتابیں ہیں۔ اس کے متعلق اعداد و شمار فراہم کرتا۔ لائبریرین اُس کی مداخلت سے پریشان سے ہو گئے تھے۔

جب وہ رائین کے کتب خانہ میں کام کر رہا تھا تو ایک دن کی بات ہے کہ اُس کے جی میں آیا کہ وہ اپنی بیوی سے فوراً ملے۔ ایک ہفتہ سے وہ باہر تھا۔ اُس نے رات نو بجے کی گاڑی پکڑی جو بارہ بجے پیرس پہنچتی تھی۔ برآمدے کے تالوں کی کنجیاں اُس کے پاس ہی تھیں اس لئے کسی طرح کی آواز کے بغیر وہ اندر کے کمروں تک پہنچ گیا۔ وہ چپ چاپ اپنی بیوی کے پاس پہنچ کر دفعتاً اُسے چونکانا چاہتا تھا

اس لئے مارے خوشی کے اُس کا دل اُچھل رہا تھا۔ لیکن وہ کمرے کو اندر سے مقفل کئے ہوئے تھی۔ اس لئے وہاں پہنچ کر اس کے سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ اُسے پکارنا ہی پڑا۔ "جینی، میں ہوں

یقیناً وہ بہت ڈر گئی ہوگی۔ کیونکہ کیلارڈ کو ایسا معلوم ہوا گویا وہ گھبرا کر بستر سے کودی اور اپ ہی آپ کچھ اس طرح بڑبڑائی گویا خواب دیکھ رہی ہو۔ تب وہ صدر کمرے کی طرف بھاگتی ہوئی معلوم ہوئی۔ وہ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا اور پھر کسی کے ننگے پاؤں اُسی کمرے میں دو تین چکر لگانے کی آہٹ ملی۔ اس کے بعد کہیں اُس نے پوچھا۔

"الگزینڈر کیا تم ہو"؟

"ہاں ہاں۔ میں ہی ہوں۔ جلدی کرو۔ دروازہ کھولو" اس نے کہا۔

جیوں ہی اُس نے دروازہ کھولا ہوگا وہ سہمی ہوئی سی اُس سے لپٹ گئی اور چلائی۔ اوہ کتنا خوف، کتنی حیرت اور کتنی خوشی!!!

وہ ایک ایک کرکے اپنے کپڑے اُتارنے لگا۔ جب وہ اپنے سب کپڑے ٹھکانے سے ٹانگ چکا تو ایک کرسی پر اُس نے اوورکوٹ پڑا دیکھا جسے وہ ہمیشہ ڈرائنگ روم کے بغل والے کمرے میں ٹانگا کرتا تھا۔

اس نے اُسے اُٹھا لیا۔

لیکن دوسرے ہی لمحہ میں وہ گم شدہ سا کھڑا رہ گیا۔ اُس کوٹ میں سرکاری اعزاز کا لال فیتہ لگا دیکھ کر اُس کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

"کیوں اس کوٹ میں ریشم کا کڑھا ہوا یہ گلابی پھول کیسے؟"

ایک ہی لمحہ کے اندر اُس کی بیوی اُچھل کر اُس کے پاس پہنچ گئی اور کوٹ کو اُس کے ہاتھ سے لینے کی کوشش کرتی ہوئی کہنے لگی، نہیں تم غلطی کر رہے ہو۔ اُسے مجھکو دے دو۔"

لیکن پھر بھی اُس نے کوٹ کی ایک آستین کو پکڑ لیا اور پوچھتا ہی رہا "ذرا بتاؤ تو آخر یہ کوٹ ہے کس کا؟ اس پر سرکاری اعزاز کا فیتہ لگا ہوا ہے۔ اسی لئے شاید یہ میرا نہیں ہے؟"

"سُنو سُنو! اسے مجھے دیدو۔ میں بتاؤں گی کہ یہ کس کا ہے۔ یہ ایک بھید کی بات ہے۔" وہ بے صبری کے ساتھ بولی۔

لیکن وہ غصہ سے لال پیلا ہو کر بولا "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ اوور کوٹ یہاں آیا کیسے؟ یقیناً یہ میرا نہیں ہے۔"

"یہ تمہارا ہی ہے۔ سُنو میری قسم ذرا سنو تو تمہیں اعزاز مل گیا ہے"

"کیا کہتی ہو مجھے اعزاز مل گیا ہے!"

وہ کھو گیا۔ اس قدر کہ وہ کوٹ بھی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور وہ وہیں ایک آرام کُرسی پر پڑ گیا۔

"ہاں یہ سچ ہے لیکن یہ ایک راز ہے۔" اُس کی بیوی نے کہا۔

اُس نے کوٹ کو لے جا کر ایک الماری میں بند کر دیا اور کانپتے ہوئے دل اور پژمردہ چہرے کے ساتھ واپس لوٹی۔

"ہاں" اُس نے کہنا شروع کیا۔ "یہ نیا اوور کوٹ میں نے تمہارے لئے بنوایا ہے۔ لیکن میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اس بارے میں تمہیں کچھ بھی نہ بتاؤں گی۔ کیونکہ سرکاری طور پر اس کا اعلان چھ ہفتے یا ایک مہینے سے پیشتر نہ ہو سکے گا۔ جب تک کہ تم اپنا کام ختم کر کے پیرس واپس نہ آ جاؤ۔ یہ سب موشئے روسیلین نے تمہارے لئے کیا ہے۔"

روسیلین! خوشی سے متوالا ہو کر وہ بولا۔ "روسیلین نے مجھے اعزاز دلایا۔ اوہ! اس نے!!"

اور اس نے پانی کا ایک گلاس چڑھا لیا۔

اوور کوٹ کی جیب سے سفید کاغذ کا ایک ٹکڑا فرش پر گر پڑا تھا۔

کیلارڈ نے اُسے اُٹھا لیا۔ وہ موشئے روسیلین کا وزٹنگ کارڈ تھا۔ اُس پر لکھا تھا "روسیلین۔ نائب وزیر"۔

"اب تو تم سمجھ گئے ہو گے کہ روسیلین نے ہی تمہارے لئے یہ سب کیا ہے۔" اُس کی بیوی نے کہا۔

وہ خوشی کے مارے اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔

ایک ہفتہ کے بعد سرکاری گزٹ میں یہ اعلان شائع ہوا کہ موشئے کیلارڈ کو اُن کی غیر معمولی خدمات اور تحقیقات کے لئے دارالامرا کا ممبر چُنا جاتا ہے۔

جُوڈیا کا نمائندہ

ایلیس لیمیا کی پیدائش اٹلی کے ایک مالدار خاندان میں ہوئی تھی۔ ابھی وہ سِن بلوغ کو پہنچا ہی ہوگا کہ وہ ایتھنس کے اسکول میں کیمیا کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھرتی ہوگیا۔ اُس کے بعد وہ روم میں آکر آباد ہوگیا اور وہاں دوسرے نوجوانوں کی طرح کھیل تماشے اور عیش و آرام میں اپنا وقت گذارنے لگا۔ لیکن سپلی خیس کورینس نامی ایک افسر کی بیوی لیپڈا کے ساتھ گہرا تعلق ہونے اور اس کے ثابت ہونے پر سیزر اعظم نے اُس کو جلا وطنی کی سخت سزا دے دی تھی۔ اُس وقت وہ صرف چوبیس سال کا تھا اُس کی یہ جلا وطنی اٹھارہ سال تک قائم رہی۔ اس زمانہ میں وہ سیریا، فلسطین، آرمینیا وغیرہ مشرقی علاقوں میں بھٹکتا رہا۔ اور وہاں کے مشہور مشہور شہروں میں مہینوں تک اڈا جمائے رہا۔ سیزر اعظم کی وفات کے بعد جب کیاس نے عنان حکومت سنبھالی تو لیمیا کو بھی روم واپس آنے کی اجازت مل گئی اور اُس کی جائداد کا بھی ایک بڑا حصہ اُس کو واپس ملا۔ بدبختی اور مصائب نے اُسے کافی سمجھدار اور سوچ سمجھکر کام کرنے والا بنا دیا تھا۔

ایسکی لین کے اپنے ذاتی مکان میں وہ چپ چاپ تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ حکومت یا عوام کی طرف سے ناموری یا اعزاز حاصل کرنے کی اُس نے کبھی کوشش بھی نہیں کی۔ آزاد رہ کر زندگی بسر کرنے والی عورتوں سے تو وہ خصوصاً دور بھاگنے لگا۔ جن ممالک کا سفر اُس نے اپنی جلا وطنی کے زمانہ میں کیا تھا وہاں کی خاص خاص باتوں اور واقعات کو سپرد قلم کرنا شروع کیا۔ اگر اُسی کے لفظوں میں

کہا جائے تو یوں سمجھئے کہ اپنی گذشتہ زندگی کے تلخ واقعات کو اُس نے موجودہ زندگی کی دلچسپی کا ذریعہ بنایا۔ اسی طرح کے کام میں مشغول اور پرانے ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے کچھ حیرت اور افسوس کے ساتھ اُس نے ایک دن محسوس کیا کہ وہ بڑھاپے کی چوکھٹ پر قدم رکھ رہا ہے۔

وہ اس کا باسٹھواں سال تھا۔ کڑاکے کی سردی سے وہ گھبرا اُٹھا تھا۔ کچھ دن سمندر کے ساحل کی کسی قدر گرم ہوا میں رہنے کے خیال سے وہ بائیے کی طرف چل پڑا۔ ایک زمانہ رہا ہوگا جب بائیے کے سمندری ساحل کو جنگلی جانوروں اور پرندوں نے آباد کر رکھا ہوگا لیکن اُس وقت وہی علاقہ رومن امیروں کے عیش و آرام اور دل بہلاؤ کا مرکز تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ تک امیروں کے اُس جمگھٹ میں لیمیا تنہائی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ کھانا کھانے کے بعد ایک دن جبکہ وہ دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ فرحت اور تازگی محسوس کر رہا تھا، اُسے دُور پر نظر آنے والی انگوری بیلوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑی پر سیر کرنے کی سوجھی۔

پہاڑی کی بلند چوٹی پر پہونچ کر وہ ایک راستہ کے کنارے ایک تاڑ کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور پاس پڑوس کے مناظر سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اُس کے بائیں ہاتھ کی طرف بڑی دور تک جہاں کہ کھنڈر اور ٹوٹے پھوٹے ویران مکانات تھے۔ ہرے بھرے کھیتوں کی ہریالی پھیل رہی تھی اُس کے داہنی طرف راس میسینم کا نوکدار خشکی کا حصہ دور تک سمندر میں گھستا ہوا نظر آرہا تھا۔ نیچے کی طرف اُس پہاڑی کے دامن میں سمندر کے کنارے نصف دائرہ میں بائیے کا شہر بسا ہوا تھا۔ شہر کے باغ بغیچوں اور شاہی گنبدوں کا منظر اور چلتے پھرتے آدمیوں سے

بھری ہوئی چوڑی چوڑی سڑکوں کا منظر وہاں سے بہت ہی سُہانا معلوم ہوتا تھا - چھوٹی سی خلیج کے اُس پار مندر کے گنبد آس پاس کی ہریالی کے اوپر سر اُٹھائے ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی میں چمک رہے تھے اور دُور آسمان پر وسوویس کا آتش فشاں پہاڑ دھواں اُڑاتا نظر آ رہا تھا - وہ زمین پر چت لیٹ گیا اور اپنی جیب سے نیچرل سائنس کی ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگا - لیکن ایک غلام کی آواز نے اُسے چونکا دیا اور اُسے اس بات کے لئے مجبور کیا کہ وہ آنے والی پالکی کے لئے راستہ خالی کرے جیوں ہی پالکی اُس کے پاس پہونچی، لیمیا نے دیکھا کہ اُس کے نرم نرم گدّوں پر بیٹھا ہوا ایک بوڑھا شخص غرور اور مطلب بھری نگاہوں سے اُسکی طرف دیکھ رہا ہے - بڈھا ہاتھ کے سہارے اپنا سر رکھے ہوئے تھا - اُسکی طوطے کی سی ناک آگے نکل کر اُس کے ہونٹوں پر گرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی - اُس کا اُبھرا ہوا چوڑا جبڑا آخر میں جا کر اُس کی ٹھوڑی کو اور بھی شاندار بنا دیتا تھا - اُس کو دیکھتے ہی لیمیا کو ایسا معلوم ہوا کہ اُس نے اُس شخص کو ضرور کہیں دیکھا ہے - اُس کا نام یاد کرنے کے لئے وہ لمحہ بھر تک ٹھہرا - اس کے بعد وہ خوشی اور اپنے دلی حیرت کا اظہار کرتا ہوا پالکی کی طرف لپکا -

پوں شیئس پائلٹ" اُس نے چلا کر کہا " خدا کی مہربانی کا بہت بہت شکر ادا کرنا چاہئے کہ اُس نے تمھیں پھر ایک بار دیکھنے کا موقع دیا "

بوڑھے نے اپنے غلاموں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا - اسکے بعد وہ بڑے غور سے مخاطب ہونے والے کو دیکھنے لگا -

" میرے پیارے دوست" پوں شیئس اس بیس برس کے اندر میرے

بال اس بُری طرح سفید ہو گئے ہیں اور چہرہ اتنا تبدیل ہو گیا ہے کہ تم اپنے ایلیئس لیمیا کو آسانی سے نہیں پہچان رہے ہو "

اس نام کو سنتے ہی پوں شیئس، جتنی جلدی اُس سے بن پڑا پالکی سے اُتر کر لیمیا کی طرف لپکا اور اُسے دو بارا اپنے سینہ سے لگا کر اپنی پُرانی محبّت کا ثبوت دیا -

وہ کہنے لگا " آج تم سے مل کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے - اوہ تمھیں دیکھ کر گزشتہ زمانہ کی یاد تازہ ہو گئی ہے - جب میں سیریا میں جوڈیا کا نمائندہ حاکم تھا - اس بات کو تقریباً تیس سال تو ہوئے ہوں گے یہ کیساریا کی بات ہے جہاں تم اپنی جلاوطنی کے دن بیزاری کے ساتھ گذار رہے تھے اور ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی - خوش قسمتی سے اُن دنوں میں تمھیں تسلّی دیا کرتا تھا اور اپنے ساتھ تمھیں بھی کھینچ کر یروسلم لے گیا تھا جہاں یہودیوں نے اپنی دغابازی سے مجھے تکلیف پہونچائی - دس برس سے زیادہ عرصہ تک تم میرے مہمان، دوست اور صلاح کار رہے اور اس عرصہ میں ہم دونوں اپنی اپنی دقتوں کے لئے ایک دوسرے کو سہارا اور ہمّت بندھاتے رہتے تھے -

لیمیا نے اُسے پھر ایک بار چھاتی سے لگا لیا -

" پوں شیئس، ابھی تو بہت کچھ کہنا باقی ہی ہے - تم نے یہ نہیں کہا کہ کس دریا دلی کے ساتھ تم نے اپنی تھیلی کا مُنہ بھی ہمارے لئے کھول دیا تھا اور میرا قرضہ چکا دیا تھا - اُس کے بعد بھی تم نے میرے لئے کیا کیا نہیں کیا "

" یہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جیوں ہی تم روم واپس گئے تھے تم نے ایک شخص کی معرفت میری پائی پائی اصل معہ سود چکا دی تھی " پوں شیئس بولا -

پوں شیئس، محض پیسہ واپس کر کے میں تمھارے قرض سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اچھا اب بتاؤ کہ کیا مالک نے تمھاری ساری آرزوؤں کو پورا کر دیا؟ کیا تمھیں وہ تمام خوشیاں حاصل ہو گئی ہیں جن کے تم اہل ہو؟ مجھے اپنے خاندان، اہل و عیال اور صحت وغیرہ کے بارے میں بتاؤ؟"

"میں اپنی سسلی والی جائداد پر دوبارہ لوٹ آیا ہوں۔ وہاں میں اپنے کھیتوں سے غلّہ پیدا کرتا ہوں اور اُسی کو فروخت کر کے زندگی بسر کرتا ہوں۔ میری سب سے بڑی لڑکی 'پونشیا' جو بیوہ ہو گئی ہے میرے ساتھ ہی رہتی ہے اور جائداد نیز میری دیکھ بھال کرتی ہے خدا کی مہربانی سے میری جسمانی طاقت جیوں کی تیوں ہے۔ میری قوت حافظہ بھی ویسی ہی ہے۔ تاہم مصائب کی آندھیاں اور اسی طرح کی جسمانی کمزوریاں رہ رہ کر اب مجھے تکلیف پہونچایا کرتی ہیں۔ ان دنوں میں گٹھیا سے بیمار ہوں اور اس وقت سامنے جو ہرے بھرے کھیت ہیں اُن کے اُس پار پہاڑ کے دامن میں اپنی اس بیماری سے چھٹکارا پانے کے لئے جا رہا ہوں۔ ایسا سُنا ہے کہ اُس پہاڑ سے نکلنے والے دھوئیں کے ساتھ گندھک کی ایک ایسی بھاپ بھی نکلتی رہتی ہے جس میں اس مرض کو اچھا کرنے اور متاثرہ اجزا کو از سرِ نو درست کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت موجود ہے۔ کم از کم وید حکیموں کی تو یہی رائے ہے۔"

"ممکن ہے کہ تمھارے حق میں یہ بات سچ ہو لیکن گٹھیا ایسے مہلک اور موذی مرض کا شکار ہونے پر بھی تم بمشکل اتنے نحیف معلوم ہوتے ہو جتنا کہ ہیں۔ اگرچہ عمر میں تم مجھ سے دس برس بڑے ہو یقیناً تم نے اپنی قوت جسمانی کو بحال رکھنے میں حیرت انگیز

کامیابی کا ثبوت دیا ہے۔ تمھیں اس حالت میں دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ لیکن وہ درست، یہ تو بتاؤ کہ تم نے قوم اور ملکی مفاد کے کام وقت سے پہلے کیوں چھوڑ دئے؟ کامیابی سے جوڈیا کی عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد بھی تم سسلی کی جائداد پر جا کر خود بخود اس طرح کی تنہائی کی زندگی کیوں بسر کر رہے ہو؟ مجھے ایک بار تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ جب سے میں نے تمھارا ساتھ چھوڑا ہے اُس کے بعد تم نے کیا کیا اور مختلف صورت حالات کا کس طرح مقابلہ کیا۔ تمھیں چھوڑ کر جب میں کیپیڈوسیا کی طرف کچھ دولت جمع کرنے کی غرض سے روانہ ہوا اُس وقت تم سیمیرٹین لوگوں کی بغاوت فرو کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اُس کے بعد میں تم سے کبھی نہ مل سکا۔ تمھاری اُن کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا میں یہ معلوم کرنے کے لئے سخت بیقرار ہوں کیونکہ تم سے تعلق رکھنے والی ہر ایک بات کو سُننے میں مجھے بڑا لطف آتا ہے۔"

پوں شیئس پائلٹ نے گہرے رنج کا احساس کرتے ہوئے سر اُٹھایا اور کہنے لگے "میں قومی مفاد کے کام سچی لگن اور اپنے فرائض سمجھ کر انجام دیتا تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں سے مجھے ہمیشہ سے نفرت رہی ہے لیکن میرے دشمنوں کی لگاتار مخالفت اور میرے خلاف کی جانے والی سازشوں نے اور اُس سے پیدا ہونے والے مصائب نے میرے چشمۂ حیات کو وقت سے پہلے ہی خشک کر دیا اور میری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تم مجھ سے سیمیرٹین لوگوں کی بغاوت کے بارے میں دریافت کرتے ہو۔ آؤ ہم لوگ اس چٹان پر بیٹھ جائیں اور میں تمھیں چند ہی منٹوں میں اس سوال کا جواب دے دوں گا۔ میرے دماغ میں آج ہی وہ واقعات

چکر کاٹ رہے ہیں گویا سب کچھ کل ہی ہوا ہے۔

"وہاں کے ایک باتونی آدمی نے جیسا کہ سیریا والے اکثر ہوتے ہیں، اُس دیش والوں کو مسلح ہونے کے لئے اُکسایا اور اُنھیں گیریجم پہاڑ کی چوٹی پر جمع ہونے کے لئے کہا۔ یہ نہ بھولنا چاہیے کہ گیریجم کی چوٹی اُس مُلک کا ایک متبرک مقام ہے۔ اُس باتونی شخص نے اُنھیں یقین دلایا کہ وہ اُنھیں ان کے دیوتا موسی کا دیدار کرائے گا۔ پھر کیا تھا اس بات کا یقین کرکے سیریا والوں نے روم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا چاہا۔ ان کی اس بغاوت کی خبر مجھے دفعتاً ایک پُر اسرار طریقہ پر ملی اور میں اُس پہاڑی کی طرف فوج لیکر چڑھ دوڑا۔ اُس چوٹی پر میری پیادہ فوج نے قبضہ کرلیا۔ اور میری گھوڑ سوار فوج آس پاس کے سارے راستوں کی نگرانی کرنے لگی۔ حکومت کی حفاظت کے لئے میرا اس طرح کا قدم اُٹھانا بہت ضروری بھی تھا۔ باغی لوگ اس پہاڑ کے دامن میں آباد ٹربیتھبا کے قصبہ کا محاصرہ کرنے کی فکر میں تھے۔ میں نے بڑی آسانی کے ساتھ انھیں تتر بتر کردیا اور بغاوت کو سر اُٹھاتے ہی کچل دیا۔ تب میں نے ان لوگوں کو سبق دینے کی غرض سے ان کے سرغنہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر سخت سزائیں دیں۔ لیکن لیمیا تم جانتے ہی ہو کہ سیریا کا گورنر ویٹیلیس ہمارے ایسے نمائندہ حکمرانوں کو کتنی سخت پابندیوں میں رکھتا تھا۔ کیونکہ سیریا پر حکومت کرنے میں گورنر کا مقصد اپنی آرزوؤں کی تکمیل تھی۔ نہ کہ حکومت روم کے دبدبہ اور وقار میں اضافہ کرنا۔

میرے خلاف بہت سی اِدھر اُدھر کی باتیں بناکر کہتے ہوئے باغیوں کا سردار گورنر کے قدموں پر گر پڑا اور تعجب کی بات ہے

کہ اُس نے بھی اُس کی باتوں کو غور سے سُنا۔ سچ پوچھئے تو ایسی باتوں کو سُننا ہی باغیوں کی حوصلہ افزائی اور سلطنت کے ساتھ دغا کرنے کے مترادف تھا۔ پھر میں بھی تو ایک علاقہ کا نمائندہ حکمراں تھا اور باغیوں کو مناسب سزا دینے کا مجھے پورا اختیار تھا۔

ویٹیلیس نے جوڈیا کی حکومت کی ذمہ داری اپنے دوست مارسیلس کے سپرد کردی اور مجھے روم کے شہنشاہ کے سامنے اپنی صفائی دینے کے لئے روم جانے کا حکم دیا۔ میں نہیں بیان کرسکتا کہ میں کس طرح یہ ظلم و ستم برداشت کرکے شہر روم کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن جیوں ہی میں نے اٹلی کے ساحل پر قدم رکھا مجھے خبر ملی کہ حکومت کے بارے چور بوڑھے سینیر نے دفعتاً راس میسینم پر انتقال کیا۔ ہاں اُسی راس میسینم پر جس کا کہ دُھندھلا سا نوکیلا حصہ ابھی تک یہاں سے دکھائی دے رہا ہے۔ سینیر اعظم کے جانشین کیاس نے، جو سیریا کے معاملات سے خاص دلچسپی رکھتا تھا اور جس کی فہم و فراست کا ہر چھوٹا بڑا قائل تھا۔ اُسی کیاس سے میں نے رحم کی درخواست مانگی۔ لیکن آہ۔ عالم غیب سے تو گویا میری بربادی کا حکم ہی مل چکا تھا۔ ان دنوں کیاس نے ایک یہودی کو جس کا نام اگریپا تھا اپنی ناک کا بال بنا رکھا تھا۔ اُس یہودی نے ویٹیلیس کی طرفداری کی۔ کیونکہ ویٹیلیس ہیروڈ نامی اُس شخص کا جانی دشمن تھا جس سے اگریپا بھی سخت نفرت کرتا تھا۔ شہنشاہ نے اپنے اس صلاح کار کی بات مان کر مجھ سے ملنے تک سے انکار کردیا۔ اس طرح ذاتی دشمنی کو لے کر انصاف کا خون کیا گیا۔ اس طرح کی زیادتی نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں چپ چاپ بیٹھ رہوں۔ اِس

بے عزتی کے کڑوے گھونٹ کو پی کر میں سسلی کی اپنی جائداد پر لوٹ آیا۔ وہاں میں اس بے عزتی کے مارے مرگیا ہوتا اگر میری لڑکی پوشیاں اپنے بوڑھے باپ کو تسلی دینے کے لئے نہ آئی ہوتی۔ آخرکار میں نے گیہوں کی فصل کے پیچھے اپنی ساری طاقت اور سارا وقت صرف کردیا اور آج میں سارے علاقہ میں یہ چیز سب سے زیادہ پیدا کررہا ہوں۔ خیر میرے حاکمانہ دور کا اب خاتمہ ہوگیا ہے اور خدا ہی ہمارے اور وٹیلیس کے درمیان انصاف کرے گا۔"

یمیا کہنے لگا۔ "پوں شیس، میں جانتا ہوں کہ سیمیریٹن لوگوں کے ساتھ تم نے جیسا برتاؤ کیا وہ سلطنت روم کے وقار کے شایانِ شان اور تمہارے عزم و استقلال کا گواہ تھا لیکن کیا میں یہ کہوں کہ تم نے کسی قدر جلد بازی سے کام لے کر معاملہ خراب کردیا۔ جس عزم و استقلال کے ساتھ تم حملہ آور ہوئے تھے اُسکی خرابیاں بھی تمہارے اس حملہ میں موجود تھیں۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ جب میں تمہارے ساتھ جوڈیا میں تھا تو تم سے چھوٹا ہونے پر بھی میں بار بار تمہیں صبر و استقلال سے کام لینے کی تلقین کیا کرتا تھا اور تمہاری جلد بازی پر کبھی کبھی قابو بھی پا جایا کرتا تھا؟ میں نے تمہیں ہمیشہ ہمدردی سے کام لینے کو کہا ہے۔"

"ہمدردی! وہ بھی یہودیوں کے لئے!!" پوں شیس پائلٹ نے چلاکر کہا۔ "اگرچہ تم اُن لوگوں کے ساتھ رہے ہو تاہم بنی نوع کے ان دشمنوں کو تم نہیں سمجھ سکے ہو۔ وہ لوگ ہیچ اور گھمنڈی ساتھ ہی ساتھ ضدی اور بزدل بھی ہوتے ہیں۔ اُن کی زندگی میں محبت اور نفرت دونوں ساتھ ہی ساتھ چلتے ہیں۔ یمیا تم نہیں جانتے کہ اعلیٰ مقاصد کو لے کر میں نے اپنی زندگی کی ابتدا کی۔

تھی۔ جب میں جوڈیا کا حکمراں نہیں ہوا تھا اُس کے پہلے ہی سے رومن لوگوں کی پُرامن زندگی اور اُن کے بلند خیالات کو دیکھ کر میں دل و جان سے ان پر فریفتہ تھا۔ اور جیسا کہ ہمارے خانہ جنگی کے زمانہ میں ہوا تھا، گورنر اور نمائندہ حکمران علاقوں کی آمدنی سے اپنی تھیلیاں بھر رہے تھے۔ اس مہلک رواج کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ میں اپنے فرائض نیز اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھتا تھا۔ میں نے ہمیشہ اعتدال پسندی اور باہمی رواداری سے کام لیا۔ خدا گواہ ہے جو میں نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو یا ناجائز سلوک کیا ہو۔ لیکن میری پاکیزگی میری ہمدردی اور رواداری کا کیا انجام ہوا؟ تم تو جانتے ہی ہو کہ میرے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی جوڈیا میں جب پہلے پہل باغیوں نے سر اُٹھایا تھا تب سلطنت اور شہنشاہ کی حفاظت کے لئے میں نے کیا کیا؟ کیا تمہیں بھی یہ سب سنانے کی ضرورت ہے؟ اچھا لو سنو۔

"اُس وقت کیھاریا کی فوجیں یروسلم میں اپنا سرمائی پڑاؤ ڈالے ہوئی تھیں۔ لشکر کے جھنڈے پر سیزرِ اعظم کی شبیہ تھی۔ یروسلم کے باشندوں کے نزدیک یہ کبر و نخوت کی علامت تھی کیونکہ وہ شہنشاہ کی پرستش نہیں کرنا چاہتے تھے۔ شہنشاہ سیزر کی شبیہ کے سامنے اس طرح سر جھکانے کا مطلب اُن کے نزدیک اُسے خدا کے برابر درجہ دینا تھا اور یہودی لوگ یہ درجہ کسی آدمی کو کب دے سکتے ہیں۔ یہودیوں کے مذہبی پیشوا اُن کے معاملے کو لے کر میری عدالت میں آئے اور مجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالنے لگے کہ میں ان کے مقدس شہر سے اپنی فوج اور جھنڈا ہٹا کر باہر رکھوں۔ اُن کی اس استدعا کا مطلب صاف تھا سلطنت

اور شہنشاہ کی ہتک! اس لئے میں نے اُن کی التجا کو رد کر دیا۔ تب وہ لوگ مجمع کی صورت اختیار کرکے میرے مکان کے سامنے غل غپاڑہ کرنے اور آوازے کسنے لگے۔ میں نے فوج کو اپنی سنگینیں سیدھی کرنے اور اُمڈتی ہوئی گروہ کو تتر بتر کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اُن میں کتنے لوگ اتنے ضدی اور مذہب کے شیدائی تھے کہ سنگینوں کی مار کو انھوں نے ہیچ سمجھا اور وہ لوگ وہیں لیٹ گئے۔ انھوں نے پیچھے ہٹنے کی بہ نسبت مرنا پسند کیا۔ لیمیا اُس وقت کی میری بے عزتی کو تم بھولے نہ ہوگے۔ جب گورنر ویٹیلیس نے شاہی جھنڈے کو کیسار یا واپس پہونچا دینے کا حکم مجھے دیا تھا۔ کیا میں اُس بے عزتی کا اہل تھا؟ میں خدا کو درمیان لاکر کہتا ہوں کہ اپنے عہد حکومت میں میں نے قانون اور انصاف کا خون کبھی نہیں کیا ہوگا۔ اوہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں میرے سارے دشمن اور مخالفت کرنے والے لوگ مرچکے ہیں۔ میں کسی سے انتقام لئے بغیر ہی مرجاؤں گا لیکن میری یادگار کون قائم رکھے گا؟" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چُپ ہو رہا۔

"جس مستقبل کے بارے میں کوئی بات ٹھیک سے کہی نہیں جا سکتی اُس کے لئے کسی طرح کی اُمید کرنا عقلمندی نہیں ہے۔" لیمیا کہتا گیا۔ "مجھے اس کی کوئی پروا نہ کرنی چاہئے کیا آئندہ آنے والے لوگ ہمارے لئے کیا کریں گے۔ ہمارے کاموں کا جائزہ لے کر غیر جانبداری سے ان کے بارے میں رائے قائم کرنے والا ہم سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے؟ پون شیئس! یہ یاد رکھنا کہ آنے والی نسلیں ہمارے کاموں کو دیکھ کر ہی ہمارے اخلاق کا پتہ لگائیں گی۔ اگر تم خود اپنی نظر میں اور اپنے دوستوں کی نگاہ میں اونچے ہو تو تمھیں

اس بات کا پورا اطمینان ہونا چاہئے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہی ٹھیک ہے۔ رہی بات حکومت چلانے کی، سو اس کے لئے صرف ہمدردی اور دریا دلی ضروری نہیں ہے۔ قدرت ہمیں جس باہمی محبت کی تعلیم دیتی ہے اُسکے بل پر حکومت نہیں کی جا سکتی۔"

"چھوڑو اس بحث کو۔ اَنڈھک کی بھاپ جب سورج کی کرنوں سے کچھ گرم ہو کر آتی ہے تب وہ زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔ اسلئے مجھے جلد پہونچ جانا چاہئے۔ لیمیا کیا ہی اچھا ہو اگر تم کل صبح کی چائے میرے ساتھ ہی پیو۔ شہر کے اُس کنارے سمندر کے ساحل پر ہی میرا مکان ہے۔ دروازہ کے اوپر ہی شیر چیتوں سے گھری ہوئی آرفیئس کی شبیہ ہے۔ جس سے تم بڑی آسانی کے ساتھ میرا مکان پہچان لوگے۔"

دوسرے دن کھانے کے وقت لیمیا، پون شیئس پائلٹ کے یہاں پہونچا۔ بیٹھنے والوں کے لئے صرف دو کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کسی طرح کی شان شوکت یا نمائش نہ تھی۔ صرف ایک ٹیبل پر چاندی کی طشتری میں شہد میں تیار رکھی ہوئی کچھ چیزیں، زیتون اور چند دوسری چیزیں تھیں۔ دونوں دوست کھاتے ہوئے نہ جانیں کتنی طرح کی باتیں کرتے چلے جاتے تھے انھوں نے اپنی بیماریوں کا ذکر کیا جس سے دونوں پریشان تھے۔ اس کے بعد دواؤں کے نام لئے۔ پھر بائیئے اُس کے ساحل اور وہاں کی صحت بخش ہوا کا ذکر آیا۔ لیمیا نے سڑک سے گذرتے ہوئے بردار دن کی جڑاؤ پوشاکوں کی تعریف کی۔ جس کو سن کر پون شیئس کہنے لگا۔ "رومن لوگوں کی کئی بڑی غلطیوں میں سے ایک بڑی غلطی یہ بھی ہے کہ اس طرح کی

جڑاؤ پوشاکوں کے بنوانے میں وہ سلطنت کی کثیر دولت غیر ممالک میں پہونچا دیتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ملک کے دشمنوں کے ہاتھ میں ہی اس دولت کا بہت بڑا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ پھر ان لوگوں نے کیا اس کے عہد حکومت میں تیار کی جانے والی بڑی بڑی نہروں اور پُلوں کا بڑے فخر کے ساتھ ذکر کیا۔ ایک سرد آہ بھر کر پونشیس بولا "رفاہ عام کے کچھ بڑے بڑے کاموں کی اسکیمیں کبھی کبھی میرے دماغ میں بھی چکر لگایا کرتی تھیں۔ جب میں نے پہلے پہل جوڈیا کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو میں نے ایک ایسا بند تیار کرنے کی اسکیم سوچی جس سے یروشلم کے لوگوں کو صاف پانی مناسب مقدار میں ملتا رہے۔ اس اسکیم کی تکمیل کے لئے میں نے مختلف پہلوؤں پر غور کر لیا تھا اور تکمیل کے ذرائع بھی سوچ لئے تھے، راج اور کاریگر بھی تیار کر لئے تھے لیکن...... یہودی لوگ رفاہ عام کے کسی بھی کام کو پورا ہوتے دیکھ نہیں سکتے۔ یہ بات اُن کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی کہ غیر جگہ کا پانی خواہ وہ کتنا ہی صاف کیوں نہ ہو ان کے متبرک شہر میں لایا جائے! وہ دقیانوسی خیالات کے لوگوں کو جمع کر کے اِس کے خلاف آواز اُٹھانے لگے اور اُس بند پر آ کر رونے پیٹنے لگے۔ ایسا رونا کہ آسمان کا بھی کلیجہ پھٹ جائے۔ اس طرح انھوں نے مستریوں کا کام کرنا دشوار کر دیا۔ لیمیا! کیا اس سے بھی بڑی وحشیانہ حرکت کا تم وہم و گمان کر سکتے ہو؟ پھر بھی گورنر وِٹیلیس نے انھیں لوگوں کی طرفداری کی اور مجھے کام بند کرنے کا حکم دیا۔"

"کسی شخص یا قوم کی خواہش نہ ہوتے ہوئے بھی ہم اُسے خوشحال بنانے کی کوشش کریں یا نہ کریں اس بارے میں کوئی

صحیح رائے قائم کرنا بڑا مشکل ہے" لیمیا نے کہا۔ لیکن پونشیس اُس کی بات پر توجہ کئے بغیر کہتا چلا گیا۔ "ایسے بند کے باندھنے میں روڑے اٹکانا اگر پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ رومن لوگ خواہ کچھ کریں یہودی لوگ اُسے برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ ہم لوگوں کو بیحد گندا اور قابلِ نفرت سمجھتے تھے اور ہمارے سایہ سے بھی ڈرتے تھے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ عدالتی کارروائی کے لئے مجھے کھلے چبوترے پر کُرسی ڈال کر بیٹھنا پڑتا تھا کیونکہ وہ لوگ کچہری کی عمارت میں جانے سے بھی گھبراتے تھے۔

"وہ لوگ ہم سے ڈرتے بھی تھے اور گھبراتے بھی تھے لیکن کیا یہ سچ نہیں ہے کہ روم کے چوڑے سینہ پر چڑھ کر غرور سے مسکرانے والے آج کے یہ سارے راج اُس کے بچے ہیں۔ جن کی اُس نے ماں کی طرح پرورش کی؟ ہمارے جھنڈے نے تمام دنیا کو امن و امان اور آزادی کا پیغام دیا ہے۔ ہم نے جن کو فتح کیا انھیں کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا کر صلح کی اور ہماری حکومت کے زمانہ میں انکے رسم و رواج اور قاعدے قانون محفوظ رہے۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ سلطنت روم کا ایک حصہ بننے کے بعد ہی یہ نسلی والے ترقی کرنے لگے ہیں؟ اگرچہ روم والوں نے سونے کے بدلے اپنی دولت بھی کھوئی ہو گی لیکن کیا انھوں نے کبھی بھی مفتوح قوم کے مندروں کے سونے کو لوٹا؟ آج سلطنت کے سارے ملک سیزر اعظم کو یاد کرتے ہوئے عربی لٹیروں کے حملوں سے بے خوف ہو کر رومن فنِ تعمیر کی تقلید میں مندر اور محل بناتے ہیں اور امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صرف یہودی لوگ ہی ہمیں ذلیل سمجھ کر ہم سے نفرت کرتے ہیں۔"

لیمیا نے کہا "یہودی لوگ اپنے پرانے رسم و رواج کو بُری طرح پکڑے ہوئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اُن لوگوں نے بے بنیاد ہی یہ شک کیا کہ رومن لوگ ان کے قاعدے قانون اور رسم و رواج میں تبدیلی کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ لیکن پوں شیئس مجھے یہ بھی کہنے کی اجازت دو کہ تم نے کبھی ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ارادہ نہ رہنے پر بھی تم نے اپنی حرکات سے اُن کے اس شبہہ کو اور بھی مضبوط کیا۔ مجھے یاد ہے، کتنی ہی بار تم نے انکے مذہبی اعتقادات کے خلاف نفرت کا اظہار کیا ہے خاص کر ان کے مذہبی پیشوا کی پوشاک کا مذاق اُڑا کر تم نے انھیں چڑھایا ہے۔ تم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ دنیا اور عقبیٰ کے لئے ہماری طرح کوشاں نہ رہنے پر بھی اپنی تہذیب و تمدن کے باعث یہودی ہماری عزت کے مستحق ہیں۔"

پوں شیئس نے اپنے کندھے اُچکا کر کہا "دیوتاؤں کے بارے میں ان کے اعتقادات بے بنیاد ہیں۔ اُن کے نام اور ان کی شبیہہ کا دھیان کئے بغیر ہی وہ لوگ اُن کی پرستش کر لیتے ہیں۔ سورج، ہوا، منگل وغیرہ دیوتاؤں کے بارے میں اُنھیں مطلق کچھ معلوم نہیں۔ تاہم یہودی عورتیں محبت کے دیوی کو مانتی ہیں اور آج بھی اس دیوی پر فاختہ کی قربانی کرنے کی رسم کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ تم کو شاید یاد ہو یہودی مندروں کے باہر ہی بیوپاری لوگ ان چڑیوں کے جوڑے کے جوڑے قربانی کے لئے رکھتے ہیں۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا تھا کہ ایک پاگل نے ان بیوپاریوں کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا اور فاختوں کے پنجڑے اُلٹ دئے تھے۔ جن کی شکایت مذہبی پیشواؤں نے بڑے زوروں میں کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ فاختہ کی قربانی کا یہ رواج محبت کی دیوی کو خوش

کرنے کے لئے ہی مروج ہے۔ تم ہنستے کیوں ہو یار؟"

"مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کس طرح میرے دماغ میں ایک انوکھا خیال آ گیا ہے۔ مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی دن یہودیوں کا کوئی دیوتا روم پر چڑھائی کر سکتا ہے اور تمھیں غصہ دلا سکتا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں؟۔ ہم نے ایشیا اور افریقہ والوں کے کتنے ہی دیوتاؤں کو اپنا لیا ہے۔ سیزر کے زمانہ سے ہی ہم لوگ مصر کے دیوتاؤں کو ماننے لگے تھے۔ تمھیں آگاہ رہنا چاہئے کہ اب کہیں یہودیوں کا کوئی دیوتا ہمارے ساحل پر نہ اُتر آئے۔" لیمیا نے کہا۔

اس خیال کو سن کر پوں شیئس کے سخت چہرے پر ایک ہلکی مسکراہٹ آئی اور چلی گئی۔

اُس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "لیکن یہ کس طرح ممکن ہے کہ دوسرے ملکوں پر بھی یہودی لوگ اپنا مقدس قانون، اُسی طرح لادنے کی کوشش کریں جبکہ خود اُنھیں میں اُن کے بارے میں اختلاف رائے ہو؟ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ یہودیوں میں بھی بیسیوں فرقے ہیں اور اُن کے جلسوں میں ہم اکثر اُنکے درمیان گالی گلوج اور دنگا فساد ہوتے دیکھتے تھے۔ وہ لوگ کبھی اِس بات کا خیال نہیں کر سکتے۔ دیوتاؤں کے بارے میں جو اختلاف رائے ہو اُسے پُر امن طریقہ پر رواداری کے ساتھ ہی سُلجھایا جا سکتا ہے کیونکہ جو بات ابھی پردۂ غیب میں ہے اسکے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہودیوں کا اپنا کوئی اصول ہی نہیں۔ مذہبی معاملات میں اختلاف رائے کو وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ اُن کے مذہبی اعتقاد کے خلاف کوئی رائے پیش کرنے والے شخص کو اگر اُن کا قابو ہو تو وہ پھانسی پر لٹکا دیں

اور اسی وقت انھیں اطمینان ہو۔ کئی بار اُن لوگوں نے میری گرسی کو گھیر کر ایسے بدنصیب لوگوں کے لئے پھانسی کی سزا مانگی تھی۔ اگر کم کسی بھی سزا کے لئے اُن لوگوں نے اپنی ناراضگی ظاہر کی تھی رومن مجسٹریٹوں کو وہ لوگ ہمیشہ اسی طرح پریشان کیا کرتے تھے اور جب مجسٹریٹ اس طرح کی سزا دینے میں اپنی مجبوری ظاہر کرتا وہ لوگ طرح طرح کی شکایتیں لے کر حکام بالا یعنی گورنر تک پہونچ جاتے تھے۔ اگرچہ زیادہ تر واقعات ایسے ہی ہوتے تھے جبکہ مجرم قانون کی نظر میں بے قصور ہی رہتا تھا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں بار ایسے موقع آئے۔ ہر روز پیش آنے والے ایسے موقعوں پر مجھے اُن قانون سامنے رکھ کر چلنا پڑتا تھا نہ کہ روم کا۔ اس کی وجہ یہ تھی میں حکومت کی طرف سے اُن کے رسم ورواج کی حفاظت کے لئے نمائندہ بنا کر بھیجا گیا تھا نہ کہ اُن کے رسوم کو مٹانے کے لئے تاہم اپنے عہد حکومت کے ابتدائی دَور میں میں نے انھیں عقل سے کام لینے کے لئے سمجھایا۔ اور اس بات کی سفارش بھی کی کہ ایسے بے گناہ قیدیوں کو پھانسی ایسی سخت سزا نہ دی جائے۔ لیکن انسانیت کے اس نسخے نے انھیں اور بھی بھڑکا دیا۔ گدھ کی طرح مجرم کو چاروں طرف سے گھیر لیتے تھے اور بُری طرح زدوکوب کرتے ہوئے اُسے میرے پاس لاتے تھے۔ اُن کے مذہبی پیشوا نے سینرڈ کو لکھ دیا کہ میں نے اُن کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے اور گورنر ویٹیلیس نے اُن کی پیٹھ ٹھونک کر شہنشاہ کی طرف سے میرے ماتھے کلنک کا ٹیکا لگوایا۔ لیمیا یہ نہ سمجھنا کہ میرے دل میں بے مطلب ہی اُنکی حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔ مجھے وہ باتیں صاف نظر آرہی ہیں جو آجکل پیش آنے والی ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا

اگر ان یہودیوں پر حکومت نہیں کی جا سکتی تو ان کو ختم کر دینا ہی ملک کی بہبودی کے لئے مناسب ہے۔ ورنہ کسی سے نہ دبنے والے باغیانہ جذبات کے حامل یہ لوگ اس بُری طرح سے ہمارے خلاف اُٹھیں گے کہ اُس کے مقابل پارتھین اور نیو میڈین لوگوں کی بغاوتیں بچوں کے کھیل معلوم ہونگی اور اپنی آگ میں یہ لوگ روم کی عظیم الشان سلطنت کو جلا کر خاک کر دیں گے۔ ان لوگوں کی آرزوئیں پاگلوں کی طرح ہیں اور ایک دن ایسا آسکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاگل پن کا روگ تھام کرنا رومن طاقت کے لئے ناممکن ہو جائے۔ اسلئے میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ ان کا پاگل پن شروع ہونے کے پہلے ہی یروشلم کو خاک میں ملا دینا چاہیئے اور اُن کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دینا چاہیئے۔ اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے ہمیں کمربستہ ہو جانا چاہیئے۔ اُسی وقت رومن لوگ میرے کہنے کا مطلب سمجھ سکیں گے۔"

پونٹیئس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ اُسے چُپ کرنے کے لئے لیمیا نے کہنا شروع کیا۔ "پونٹیئس میں بڑی اچھی طرح تمہارے غصہ کی وجہ کو تمہارے انجام کو سمجھتا ہوں۔ بے شک یہودیوں کے بارے میں تم جو کچھ بھی جانتے ہو وہ سب اُن کی بُرائیاں ہی ہیں لیکن مجھے بھی یروشلم میں ایک اجنبی کی طرح رہنے اور اُن لوگوں کو نزدیک سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا تھا اور میں نے جو کچھ دیکھا اُس کے مطابق میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن میں ان سب بُرائیوں کے ساتھ ہی کئی نادر اور عجیب و غریب خوبیاں بھی موجود ہیں جو بحیثیت ایک حکمران تمہاری آنکھوں سے ہمیشہ اوجھل رہے۔ ہمارے شاعر، ایوالیا کے جن بوڑھوں کی دریادلی

کے گیت گایا کرتے تھے۔ ٹھیک انھیں کی طرح میں نے بھی یہودیوں کو سچا، نرم دل اور سادہ مزاج پایا۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ جس بات کو وہ لوگ دل سے ٹھیک سمجھتے ہیں اُس کے لئے اپنا نام بتائے بغیر ہو پُرامن طریقہ پر عزم و استقلال کے ساتھ تمھاری آنکھوں کے سامنے تمھارے سپاہیوں کی تلوار کے گھاٹ اُتر گئے؟ اُن کی اس سادگی اور استقلال کو دیکھ کر بھی کیا ہم اُن سے نفرت کر سکتے ہیں؟ میں یہ سب اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کسی بھی فیصلہ پر پہونچنے کے پہلے ہمیں غیر طرفدار ہو کر اُن کی بُرائیوں اور خوبیوں کا جائزہ لے لینا چاہیئے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ میرے دل میں کبھی بھی یہودیوں کے لئے کوئی خاص ہمدردی پیدا نہیں ہوئی۔ ہاں یہ ہوا ہے کہ یہودی عورتوں سے میں ہمیشہ خوش رہا ہوں۔ اُن دنوں میں جوان تھا اور سیریا کی عورتوں نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا تھا اُن کے سُرخ ہونٹوں، رس بھری آنکھوں اور دل تک پہونچنے والی آنکھوں کی گہری چتوَن نے مجھے ہرا دیا تھا۔ دُبلی پتلی کمان کی طرح اُن کا بدن یہاں دکھائی دینا تو ناممکن ہی ہے۔"

پونٹیس اس تعریف کو بڑی بے قراری سے سننے کے بعد بولا "میں کسی یہودن کے جال میں پھنسنے والا آدمی نہ تھا۔ اور چونکہ تم آج مجھے کہنے کا موقع دے رہے ہو اس لئے میں کہتا ہوں کہ تمھاری یہ چال مجھے بالکل پسند نہ تھی۔ روم میں اُس افسر کی بیوی کے ساتھ تمھارے بارے میں میں نے تمھیں مجرم سمجھنے پر بھی چشم پوشی کی۔ صرف اس لئے کہ اُس وقت تم اپنے کئے ہوئے پر سخت نادم تھے۔ رومن لوگوں میں رشتہ ازدواج ایک پاک رشتہ مانا جاتا ہے۔ اسی پاک بُنیاد پر رومن تہذیب کھڑی ہے۔ جہاں تک غلام رکھنے

رغیر ملکی عورتوں کا سوال آتا ہے، میری سمجھ میں ایک شخص کو یہ باتیں ہیں تک زیب دیتی ہیں جب تک کہ وہ ان سے ملوث نہ ہو۔ لیمیا مجھے کہنے دو کہ ازدواج کے حق کو نہ مان کر تم نے حرامکاری کی وصلہ افزائی کی ہے۔ قاعدہ کے مطابق تم نے شادی نہ کر کے اس کی مُردم شماری میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے جو ہر ایک شہری مقدس ترین فرض ہے۔

لیکن لیمیا پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اپنا پیالہ خالی رکے وہ مسکرانے لگا، گویا کوئی حسینہ اُس کی آنکھوں میں ناچ رہی و۔ پھر اُس نے آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا لیکن اُس کی آواز رفتہ فتہ بلند ہوتی گئی۔

سیریا کی عورتیں۔ اُف کیسا بیخود کر دینے والا نشہ رہتا ہے ن کی آنکھوں میں ان کا رقص!! میں نے کرتال پر ایک یہودن و ناچتے دیکھا ہے جو شراب کی ایک چھوٹی سی دُکان میں ٹمٹماتے دیے چراغ کی روشنی میں ایک پھٹی پُرانی دری پر مستی کے عالم س تھرک رہی تھی۔ پیچھے جھکتی ہوئی اُس کی گردن کو دیکھنے سے یسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ بالوں کے بوجھ سے جھکی جا رہی ہو اور س کی مد بھری آنکھوں کا کیا کہنا جسے دیکھ کر حسن کی رانی قلوپطرہ کا چہرہ بھی حسد کی وجہ سے زرد پڑ جائے! میں اُس کے رقص و سرود اور حُسن کا دیوانہ تھا اور اس کے پیچھے پیچھے دیوانہ وار ہر جگہ گھوما یتا تھا۔ ایک دن وہ ایسی غائب ہوئی کہ اُس کی صورت نہ دکھائی ی۔ میں نے اس کی تلاش میں ساری گلی کوچے اور شراب خانوں کی اک چھانی لیکن کہیں بھی اُس کا پتہ نہ چلا۔ کئی مہینوں کی دوڑ دھوپ کے بعد اچانک پتہ چلا کہ وہ مرد اور عورتوں کے اُس گروہ میں

شامل ہو گئی تھی۔ جو گیلیلی سے آئے ہوئے ایک انوکھے نوجوان کے ساتھ سارے ملک میں گھوم رہا تھا۔ وہ نوجوان نیجھ ریتھ کا رہنے والا تھا اور معلوم نہیں کس قصور کی وجہ سے کُردس پر چڑھا دیا گیا تھا۔ اس کا نام یسوع تھا۔ پوں شیئس کیا تمھیں اُس آدمی کے بارے میں کچھ یاد ہے؟"

پوں شیئس پائلٹ نے اپنی بھویں اوپر کو چڑھالیں اور ایک ہاتھ ماتھے پر رکھ لیا۔ ٹھیک اُس آدمی کی طرح جو کسی گذرے ہوئے واقعہ کو یاد کرنا چاہتا ہو۔ بڑی دیر تک چپ رہنے کے بعد وہ گنگنا یا "یسوع! نیجھ ریتھ کا یسوع؟ مجھے یاد نہیں پڑ رہا ہے۔"

جہیز

سائمن لیبر ومنٹ اور جینی کار ڈیر کا بیاہ کوئی ایسا کام نہ تھا جس کو سُن کر کسی کو حیرت ہو۔ لیبر ومنٹ نے مسٹر پیپلان کی مقروض جائداد خریدی تھی اسی لئے قرض ادا کرنے کے لئے قدرتی طور پر اُسے روپیہ کی ضرورت تھی اور جینی کار ڈیر کے پاس تین لاکھ فرانک* نقد تھے۔

لیبر ومنٹ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ وہ بہت ہی وضعدار تھا اور اپنے صوبہ کی چال ڈھال کو پوری طرح نبھانے والا تھا۔ اپنی اس وضعداری کے باعث وہ باشنی لے رہبرس میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

جینی ہمیشہ خوش رہنے والی ایک بہت ہی خوبصورت خاتون تھی۔ اگرچہ چہرے کی بناوٹ میں وہ زیادہ اچھی نہ تھی تاہم اُس کا شمار اعلیٰ درجہ کی خوبصورت عورتوں میں تھا اور ایک نظر دیکھنے کے بعد بڑی آسانی کے ساتھ کوئی اُس پر فدا ہو سکتا تھا۔

ان دونوں کا بیاہ اس عجیب و غریب طریقہ پر ہوا کہ باشنی کا سارا علاقہ سن کر دنگ رہ گیا۔ بیاہ کے بعد صرف چار دن تک پیرس کی سیر کر کے یہ نوجوان جوڑا گھر لوٹ آیا اور زندگی کا لطف اُٹھانے لگا۔ ان کے اس سادہ چال ڈھال کی سارے گاؤں والوں نے تعریف کی۔ یہ چرچا سُن کر انھیں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ لیبر ومنٹ نے اپنی عادت ہی ایسی بنا رکھی تھی۔ اُس کا یہ عقیدہ تھا کہ صبر کا پھل میٹھا

---

* فرانس کا ایک سکہ۔

ہوتا ہے۔ وہ جانتا تھا کس طرح صبر اور عقلمندی سے کام لینے پر انسان کو جلد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

چار ہی دن کے اندر اُس نے اپنی رفیقۂ حیات کے دل پر پوری طرح قابو پا لیا۔ اب وہ اُس کے بغیر لمحہ بھر نہیں رہ سکتی تھی۔ محبت سے متوالی ہو کر وہ اس کی گود میں بیٹھ جاتی اور بچوں کی طرح اُس کے دونوں کان پکڑ کر کہتی "آنکھیں موند لو اور مُنہ کھولو" وہ اپنا مُنہ کھولتا اور آنکھیں بند کر لیتا۔ تب وہ اُس کی نازک انگلیوں کو جو اُس کے مُنہ میں پڑی ہوتی تھیں۔ دھیرے دھیرے دانتوں سے دباتا۔ بوسہ کے لئے وہ اپنا مُنہ آگے کر دیتی اور وہ رس لے لے کر بڑی دیر تک وہ اُس کے ہونٹوں کو چوستا رہتا تھا جس سے اُس کے بدن میں بجلی دوڑ جاتی تھی۔ اس طرح دن رات ایک دوسرے کو پیار کرتے ہوئے وہ کبھی نہ تھکتے تھے۔

پہلا ہفتہ اسی طرح گذارنے کے بعد لیبر ومنٹ نے اپنی جوان بیوی سے کہا "اگر تم پسند کرو تو ہم لوگ اگلے ہفتہ پیرس چلیں۔ وہاں ہم دونوں از خود رفتہ محبت کے متوالوں کی طرح رقص و سرود۔ تھیٹر ہوٹل، پیرس کی عالی شان سڑکوں اور باغوں کی سیر مستی کے ساتھ کریں گے۔"

جینی خوشی کے مارے ناچ اُٹھی۔

وہ کہتا چلا گیا۔ "اور تمہیں بھولنا نہ چاہئے کہ اس سفر کے موقع پر میں بیپلان کا قرضہ بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے جہیز کی رقم تیار رکھنے کے لئے تم ضرور ہی اپنے دادا سے کہہ رکھو۔"

"اچھی بات ہے۔ کل سویرے ہی میں اُن سے کہہ دوں گی۔" اس نے کہا۔ اُس نے پاگل پریمی کی طرح پھر ایک بار اُسے اپنے بازوؤں سے جکڑ لیا اور گذشتہ ہفتہ کے اور دنوں کی طرح دونوں محبت کی خوش

فعلیوں میں محو ہو گئے۔

اگلے پیر کو ساس اور سسر اپنی لڑکی اور داماد کو پیرس بھیجنے کے لئے اسٹیشن پر پہنچانے آئے۔

سسر نے کہا "اتنی زیادہ رقم بٹوئے میں اپنے ساتھ رکھنا عقلمندی نہیں ہے۔"

"اس کی آپ مطلق پرواہ نہ کریں۔ اتنا روپیہ ساتھ لے کر چلنے کا میرا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ اپنے وکالت کے پیشہ میں مجھے کبھی کبھی دس دس لاکھ تک ساتھ رکھنا پڑا ہے۔ اس طرح ہم بہت سی پریشانیوں سے بچ جائیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔" نوجوان وکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

گارڈ چلا رہا تھا "پیرس کی گاڑی پر چڑھو۔"

وہ لوگ گھبرا کر ایک ڈبے میں گھس گئے جہاں دو بوڑھی عورتیں پہلے ہی سے بیٹھی ہوئی تھیں۔

لیبر ومنٹ نے آہستہ سے اپنی بیوی کے کان میں کہا "بڑی آفت ہے میں سگریٹ بھی نہ پی سکوں گا۔"

اُس نے بھی آہستہ سے جواب دیا "یہ تو مجھے بھی گراں گزر رہا ہے لیکن تمہارے سگریٹ نہ پینے کی وجہ سے نہیں!"

سیٹی ہوئی اور گاڑی چلنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے میں سفر ختم ہوا۔ اس درمیان میں ان دونوں نے کوئی خاص بات نہیں کی۔ کیونکہ وہ دونوں بڑھیا برابر جاگ رہی تھیں۔

جیوں ہی گاڑی سینٹ لیزارے اسٹیشن پر ٹھہری لیبر ومنٹ نے اپنی بیوی سے کہا "چلو پہلے ہم بولے وارڈ چل کر کچھ کھا پی لیں تب ہم آ کر اپنا سامان لے لیں گے اور ہوٹل چلے چلیں گے۔"

وہ فوراً تیار ہوگئی۔

"ہاں ضرور ہمیں کسی ہوٹل میں چل کر ناشتہ وغیرہ کرلینا چاہئے۔ کیا بہت دور ہے ہوٹل؟"

"دور تو ضرور ہے۔ لیکن ہم کوئی کرایہ کی بگھی کرلیں گے۔" اُس نے کہا۔

اُسے بڑی حیرت ہوئی "ہم کوئی لاری ہی کیوں نہ پکڑ لیں۔"

اُس نے میٹھی جھڑکی دی۔ "شاید اسی طریقہ سے تم روپیہ جوڑ دگی؟ پانچ منٹ کے راستہ کے لئے لاری کی سواری، وہ بھی اتنی مہنگی بگھی میں چلنے سے تمہاری ہتک تو ہوگی نہیں!"

"جیسا مناسب سمجھو" اُس نے شرمندہ ہو کر کہا۔

ایک بگھی اُسی سڑک سے گذر رہی تھی جسے تین بڑے بڑے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ لیبرومنٹ چلایا۔ "کنڈکٹر! کنڈکٹر!!"

بھاری بھرکم گاڑی کچھ آگے بڑھ کر رُک گئی۔ اُس کے پاس پہنچ کر لیبرومنٹ نے اپنی بیوی کو کھینچتے ہوئے کہا "تم اندر جاؤ۔ میں اوپر چھت پر جارہا ہوں تاکہ ناشتے کے پہلے کم از کم ایک سگریٹ تو پی سکوں۔"

جواب کے لئے اس کے پاس وقت نہ تھا۔ کنڈکٹر نے بازو پکڑ کر اُس کو فوراً اندر کردیا اور وہ ایک سیٹ پر جا پڑی۔ وہ بھونچکی سی پیچھے کی کھڑکی سے اپنے شوہر کے پیروں کو دیکھ رہی تھی جو گاڑی کی چھت پر جارہا تھا۔ وہ دو آدمیوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف ایک موٹا آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے مُنہ سے تمباکو کی بدبو آرہی تھی دوسری طرف ایک بڑھیا لہسن کھائے بیٹھی تھی۔

دوسرے سب مسافر چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ جس میں ایک پنساری لڑکا، ایک جوان لڑکی، ایک سپاہی۔ سنہرے فریم کے چشمے والے ایک صاحب اور مُنہ پھیلائے ہوئے بیٹھی ہوئی دو مغرور عورتیں تھیں۔

یہ سب مل کر کارٹونوں کی طرح گاڑی کو ہنسی کی ایک چیز بنائے ہوئے تھیں۔

دھکے کی وجہ سے سب کے سر بے طرح اِدھر اُدھر ہل رہے تھے اور گھسے ہوئے پُرانے پہیوں کے مارے بھی پریشان تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سبھی اونگھ رہے ہیں۔

کم سن جینی جیوں کی تیوں بیٹھی رہی۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ "وہ میرے ساتھ اندر کیوں نہیں بیٹھا۔" اُس کے چہرے سے فکر مندی کے آثار نمایاں تھے۔ اُسے سچ مچ اس طرح کا برتاؤ نہ کرنا چاہئے تھا۔ دو بہنوں نے گاڑی روکنے کے لئے اشارہ کیا اور ایک کے بعد دوسری نیچے اُتر گئی اور کافور کی تیز خوشبو اپنی جگہ پر چھوڑتی گئی۔ گاڑی چلی اور فوراً ہی پھر رُکی۔ ایک باورچی داخل ہوا اُس کا منہ لال ہو رہا تھا اور سانس پھول رہا تھا۔ سامان کی ڈلیا اپنے گھٹنوں پر رکھ کر وہ بیٹھ گیا۔ اُس کی ٹوکری سے بھی ایک خاص طرح کی تیز بُو آرہی تھی۔

"یہ تو میرے قیاس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے۔" جینی نے سوچا۔

اسی طرح کئی مسافر اُترے اور چڑھے۔ آنے والا ہر ایک مسافر اپنے ساتھ کسی نہ کسی طرح کی تیز بو لے کر ہی آتا تھا۔

جینی گھبرا اُٹھی۔ وہ اس قدر پریشان ہوئی کہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"اب اور کتنی دور چلنا ہے؟" اُس نے سوچا۔ "کہیں وہ سو تو نہیں گئے! آجکل وہ بہت تھکے تھکے اور پریشان سے نظر آتے ہیں۔"

رفتہ رفتہ سب مسافر اُتر گئے اور گاڑی میں وہ تنہا رہ گئی۔ کنڈکٹر چلایا۔ واجی رارڈ!

یہ دیکھ کر کہ وہ ابھی تک نہیں اٹھی کنڈکٹر دوبارہ چلّایا۔"واجی رارڈ!" وہ کنڈکٹر کی طرف دیکھنے لگی اور شاید سمجھ گئی کہ وہ اُسی کو مخاطب کر رہا ہے کیونکہ گاڑی میں اور کوئی نہ تھا۔

کنڈکٹر نے پھر تیسری بار آواز لگائی۔"واجی رارڈ!"

"ہم کہاں ہیں؟" تب اُس نے پوچھا۔

اُس نے تُرش رو ہو کر جواب دیا۔"ہم واجی رارڈ پہنچ چکے ہیں۔ میں تقریباً آدھ گھنٹے سے یہی تو چلّا چلّا کر کہہ رہا ہوں۔"

"کیا یہ بولے وارڈ سے بہت دور ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"کون سا بولے وارڈ؟"

"بولے وارڈ اطالوی لوگوں کی بستی۔"

"وہ تو بہت پہلے ہی نکل گیا!"

"کیا آپ میرے خاوند کو اطلاع دینے کی تکلیف کر سکتے ہیں!"

"آپ کے خاوند! کہاں ہیں وہ؟"

"گاڑی کی چھت پر۔"

"چھت پر! وہاں تو بڑی دیر سے کوئی بھی نہیں ہے۔"

وہ کانپ اُٹھی۔"کیا کہا؟ نا ممکن! وہ میرے ساتھ ہی گاڑی پر چڑھے تھے۔ ذرا اچھی طرح دیکھ تو لیجئے۔ وہ ضرور وہیں ہونگے۔"

کنڈکٹر لحہ بہ لحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

"لو دیکھو۔ بہت باتیں بنا چکیں!" اُس نے تیز ہو کر کہا۔"تمہیں کھو جو۔ تم کو ایک کے بدلے ویسے دس مل جائیں گے۔"

جینی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ پھر بولی۔"مسٹر آپ بھول رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ ضرور ہی چھت پر ہیں اُنکے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک بڑا سا بنڈل تھا۔"

کنڈکٹر ہنسنے لگا۔"اوہ کاغذوں کے بنڈل والا! ٹھیک۔ یاد آیا۔ وہ تو بہت پہلے ہی مڈلین پر ہی اُتر گیا۔"ٹھیک۔ اُس نے تمھیں خاصا چکمہ دیا۔ خہ۔ خہ۔ خہ۔ خہ۔"

وہ گاڑی سے اُتری اور خود اوپر جا کر چھت کو دیکھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

تب وہ یکایک پھوٹ پھوٹ کر رونے چلّانے لگی۔"ہائے اب میرا کیا ہوگا؟"

پولیس انسپکٹر بھی آگیا۔"کیا بات ہے؟" اُس نے پوچھا۔

مذاقیہ انداز میں کنڈکٹر نے جواب دیا۔"ان کے خاوند انھیں سفر میں تنہا چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔"

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں، تم جاؤ اپنا کام دیکھو۔" انسپکٹر نے کہا اور وہ اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

بالکل بکّی بکّی ہو کر اس نے بھی سیدھی راہ پکڑی۔ وہ اس حادثے سے پاگل سی ہو رہی تھی۔ اُسے ہو کیا گیا ہے یہ سمجھنے سے وہ خود بھی قاصر تھی۔ اب وہ کہاں جائے اور کیا کرے گی؟ اُس نے کیوں ایسی حرکت کی؟ آخر اُس کو ہو کیا گیا؟ وہ اتنا بھولکڑ کیونکر ہو سکتا ہے؟

اسی طرح کے خیالات رہ رہ کر اُس کے دماغ میں چکّر کاٹ رہے تھے۔

اُس کے پاس محض دَو فرانک تھے۔ وہ کس کے پاس جا سکتی تھی؟ یکایک اُس کو خیال آیا کہ اُس کا ایک چچازاد بھائی 'بیرل' وہاں رہتا ہے جو نئی فوج کے دفتر میں نوکر ہے۔ وہاں تک جانے کے لئے بگھی کا کرایہ اُس کے پاس تھا۔ وہ اُسی کے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔

جیسے ہی وہ دفتر جانے کے لئے گھر سے کچھ دور نکلا، جینی بھی اس کو

پہچان کر اس کے پاس جا کھڑی ہو گئی۔

اس کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک بڑا سا بنڈل تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا کہ پیرومنٹ کے ہاتھ میں تھا۔

وہ بگھی سے کود کر چلائی "ہنری!" اور اس کا بھائی چکرایا سا کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

"جینی تم! اور بالکل تنہا!! تم کہاں سے آ رہی ہو؟ اور کیا کام ہے؟"

اُس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "میرا خاوند ابھی ابھی کہیں غائب ہو گیا ہے"

"غائب! کہاں؟"

"ایک گاڑی پر سے"

"گاڑی پر سے؟"

اُس نے رو رو کر سارا قصہ کہہ سنایا۔

اُس نے سُنا۔ سوچا اور پھر پوچھا "کیا اُس کا دماغ آج سویرے ٹھیک تھا؟"

"ہاں"

"ٹھیک۔ کیا اس کے پاس روپیہ بھی بہت تھا؟"

"ہاں میرے جہیز کا روپیہ اُس کے پاس تھا"

"تمہارا جہیز؟ کیا ساری جائداد؟"

"ہاں۔ سب کچھ۔ کیونکہ اُسے پیلان کی مقروض جائداد کا روپیہ ادا کرنا تھا"

"میری پیاری بہن۔ اس وقت ضرور ہی تمہارا خاوند بلجیم کے راستے پر ہو گا"

وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ اور اپنے ہی الفاظ دُہراتی رہی "میرا خاوند۔

تم کہتے ہو —"

"ہاں میں کہتا ہوں کہ تمہارا خاوند تمہاری ساری جائداد لے کر غائب ہو گیا — تمہارا سب کچھ چلا گیا!"

اُس کے دل میں طرح طرح کے خیالات یکے بعد دیگرے آنے لگے اور وہ وہیں سسکیاں بھرنے لگی۔

"تب وہ — وہ — ہ — ایک دغا باز — تھا"

وہ بیہوش سی ہو کر اپنے بھائی کے کندھوں پر گر پڑی اور سسکیاں لینے لگی۔ راہ چلتے لوگ انہیں دیکھ کر اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اس لئے اُسکا بھائی اُسے لے کر آہستہ آہستہ چل پڑا اور سہارا دے کر اُسے سیڑھیاں چڑھا کر اوپر لے گیا۔

جیسے ہی اُس کے نوکر نے متحیر ہو کر دروازہ کھولا اُس نے حکم دیا "فوراً جلدی ہوٹل جا کر دو آدمیوں کے لئے کھانا لے آ۔ میں آج دفتر نہیں جا رہا ہوں۔

قربانی کی قیمت

(۱)

پہاڑی کے دامن میں چھوٹے سے آبشار کے کنارے دو جھونپڑیاں پاس ہی پاس بنی ہوئی تھیں جس میں دو کسان خاندان رہتے تھے۔ وہ بیچارے سخت محنت کر کے آس پاس کی پتھریلی زمین سے تھوڑا بہت اناج پیدا کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ اُن دونوں کے چار چار بچے تھے۔ سارے بچے صبح سے شام تک دروازے کے باہر کھیلتے رہتے تھے۔ سب سے بڑے دو لڑکے چھ چھ برس کے اور سب سے چھوٹے دو بچے کوئی سوا سوا برس کے تھے۔ دونوں خاندانوں میں شادیاں اور بچوں کی پیدائش بھی تقریباً ساتھ ہی ساتھ ہوئی تھیں۔

بچوں کے اُس چھوٹے سے جھنڈ میں سے مائیں بڑی مشکل سے اپنے بچوں کو بُلاتی تھیں اور ان کے والد تو ہمیشہ پہچاننے میں بھول کر جاتے تھے۔ وہ آٹھوں نام اُن کے دماغ پر اِس طرح مسلط تھے کہ جب کبھی وہ کسی بچے کو پکارتے تبھی وہ غلطی کر جاتے اور کوئی دوسرا ہی بچہ ان کے سامنے آکھڑا ہوتا۔

آبشار شیلے پورٹ سے آگے بڑھتے ہی جو پہلا جھونپڑا ملتا تھا اس میں ٹُوپچ خاندان کے لوگ رہتے تھے۔ اس خاندان میں تین لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ اگلے جھونپڑے میں ویلین خاندان رہتا تھا ان کے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔

دونوں خاندان بڑی مصیبت سے اپنے بچوں کی پرورش کر رہے تھے۔

صرف تھوڑا سا شوربہ اور آلو ہی بچے پاتے تھے۔ اور جنگل کی تازہ ہوا تو تھی ہی۔ صبح سات بجے، دوپہر میں بارہ بجے اور شام کو چھ بجے مائیں اپنے بچوں کو کھانا کھلانے کے لئے اکٹھا کرتیں۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے کہ بطخوں اور مرغیوں کے بچوں کو اُن کے پالنے والے اکٹھا کیا کرتے ہیں۔ برسوں سے استعمال ہونے والی گھسی ہوئی ٹیبل پر عمر کے لحاظ سے بچے بٹھا دئے جاتے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹے تو مشکل سے اتنے اونچے تھے کہ ٹیبل کی برابری میں مُنہ رکھ کر کھا سکیں۔

ان لوگوں کے لئے ایک بڑے برتن میں اکٹھی ہی روٹیاں رکھ دی جاتی تھیں اور دوسرے برتن میں رسیدار آلو اور کشمش ملا ہوا شوربہ رہتا تھا۔ وہیں سب بچے پیٹ بھر کر کھاتے تھے۔ سب سے چھوٹے بچوں کو ماں خود کھلاتی تھی۔ اتوار کے دن شوربے میں تھوڑا سا گوشت رہتا تھا۔ یہ اُن کا ہمیشہ کا اصول بن گیا تھا۔ اتوار کا شوربہ بڑے چاؤ سے کھاتے ہوئے گھر کا مالک کہتا: "روز روز اگر ایسا ہی شوربہ ملے تو میں خوب آسودہ ہو کر کھایا کروں!"

اگست کا مہینہ تھا اور دوپہر کا وقت۔ ایک ہلکی سی گاڑی اُن جھونپڑوں کے پاس آکر رُکی اور ایک کمسن عورت نے جو خود ہی گاڑی ہانک رہی تھی اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے کہا "ہنری ذرا ان بچوں کو دیکھنا! دھول میں مستی سے اِدھر اُدھر کھیلتے کودتے ہوئے یہ کتنے پیارے لگتے ہیں!"

اس شخص نے کوئی جواب نہ دیا۔ بچوں کے بارے میں بیوی کی زبان سے ایسے کلمات سننے کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ ایسی باتیں سُن کر اب اُسے تکلیف ہوتی تھی۔

کمسن عورت کہتی گئی "جی چاہتا ہے انھیں چوم لوں۔ اوہ۔ اگر انہیں کا

سب سے چھوٹا' وہ ننھا مجھے مل جائے تو کتنی خوشی ہو مجھے "

— اور گاڑی سے کود کر وہ بچوں کی طرف لپکی اور اُن میں سے سب سے چھوٹے کو گود میں اُٹھا کر اُس کا مُنہ چوم لیا۔ بچے کے دھول میں اٹے ہوئے گالوں پر اُس نے بوسوں کی جھڑی لگا دی۔ اُس نے اُس کے اٹے ہوئے بالوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا اور بچہ کہیں مداخلت نہ کرے اس خیال سے اُس نے اپنے ہاتھوں سے اُس کے ننھے ننھے ہاتھ پکڑ کر اُن پر بھی اپنی محبت کی مُہر ثبت کر دی۔ وہ ٹُوبچے خاندان کا لڑکا تھا۔

پھر وہ گاڑی میں بیٹھ گئی اور اُسے ہانکنے لگی۔

دوسرے ہفتہ پھر وہ آئی۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ اور اُسی لڑکے کو گود میں لے کر اُسے ڈبل روٹی کھلانے لگی۔ دوسرے بچوں کو مٹھائیاں دے کر اُس نے خوش کر دیا۔ پھر وہ بڑی دیر تک اُن بچوں کے ساتھ ایک الھڑ لڑکی کی طرح کھیلتی رہی۔ تب تک اُس کا خاوند گاڑی میں بیٹھا بیٹھا اُس کا انتظار کرتا رہا۔

— اب تو وہ تقریباً ہر روز آتی۔ بچوں کے والدین سے بھی اُس نے جان پہچان کر لی۔ اُس کے جیب طرح طرح کی مٹھائیوں اور پیسوں سے بھرے رہتے تھے۔

(۲)

اُس کا نام مادام ہنری دھوبیرس تھا۔ ایک روز جب وہ صبح کے وقت آئی تو اُس کا خاوند بھی اس کے ساتھ ہی گاڑی سے اُترا۔ اس بار وہ لوگ بچوں کے پاس نہیں رُکے بلکہ ایک دم ٹُوبچے خاندان کی جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ بچے اُن سے اچھی طرح مانوس ہو گیا تھا۔ وہ کھڑا کھڑا بھونچکا سا تکتا ہی رہا۔

وہ لوگ گھر کے اندر تھے اور آگ جلانے کے لئے لکڑیاں چیر رہے تھے

ان لوگوں کو دیکھ کر پہلے تو وہ حیران سے ہوئے لیکن فوراً ہی وہ دوڑے اور دو کُرسیاں دوڑ کر لے آئے اور ان کے لئے ڈال دیں اور کچھ سننے کے لئے تیار ہو گئے۔ اُس مالدار کمسن عورت نے کانپتی ہوئی آواز میں رُک رُک کر کہنا شروع کیا "اے اچھے آدمیوں مجھے بے حد خوشی ہو گی۔ ہاں بے حد خوشی ہو گی۔ اگر تم اپنا سب سے چھوٹا بچہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے دو"

وہ دونوں کسان اس بات کو سن کر حیرانی سے اُن کا مُنہ تکنے لگے۔

کمسن نے ایک لمبی سی سانس لی اور کہنا شروع کیا "ہمارے کوئی بچہ نہیں ہے۔ خاندان میں ہمارا خاوند اور میں دو ہی آدمی ہیں۔ اگر تمھاری مرضی ہو تو ہم لوگ اُسے گود لے لیں گے"

کسان کی بیوی بات کو کچھ کچھ سمجھ چکی تھی بولی "تو آپ شاید شارلانٹ کو لینا چاہتی ہیں۔ اوہ کبھی نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا! بالکل نہیں!!"

تب موشئے دھوبیرس نے کہا "میری بیوی نے سمجھانے میں غلطی کی ہے۔ ہم لوگ اُسے گود لینا چاہتے ہیں لیکن وہ آپ لوگوں سے ملنے جلنے ضرور ہی آتا رہے گا۔ جیسا کہ ابھی دکھائی دیتا ہے۔ وہ آگے چل کر بڑا عقلمند ہو گا اور اگر ایسا ہوا تو ہم اُسی کو اپنی ساری جائداد کا تنہا مالک بنا دیں گے۔ مالک کی مہربانی سے اگر ہم لوگوں کے یہاں بھی کوئی بچہ پیدا ہوا تب بھی یہ برابر کا حقدار ہو گا۔ آگے چل کر اگر وہ ہماری اُمیدوں کے خلاف چلا تو بھی ہم اسے نقد بیس ہزار فرانک دے دیں گے جو کہ اس کے جوان ہوتے ہی اس کے نام سے ایک وکیل کے پاس جمع کر دیئے جائیں گے۔ ہم لوگوں نے آپ کے لئے بھی کچھ سوچا ہے۔ آپ لوگوں کو تاحیات بطور پنشن سَو فرانک ماہانہ ملتے رہیں گے۔ اب تو آپ لوگ سمجھ ہی گئے ہونگے"

کسان کی بیوی اور بھی بھڑک اُٹھی "تو آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے شارلانٹ کو دھات کے کچھ ٹکڑوں کے عوض بیچ دوں! دنیا میں کچھ چیزیں

ایسی بھی ہیں جن پر ماں سب کچھ نچھاور کر سکتی ہے اُن میں ایک بچہ بھی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا! یہ پاپ ہے!"

وہ کسان سنجیدہ صورت بنائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ لیکن اُس نے اپنا سر اس طرح ہلا دیا گویا وہ بھی اپنی بیوی سے متفق ہے۔

مادام ہوبیرس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ پھوٹ پڑی اور اپنے خاوند کی طرف مڑ کر روتی ہوئی آواز میں اُس لاڈلے لڑکے کی طرح جس کی خواہشیں ہمیشہ پوری ہوتی رہی ہیں بڑک بڑک کر کہنے لگی "یہ لوگ نہ مانیں گے ہنری! یہ لوگ نہ مانیں گے"۔

اُنھوں نے پھر ایک بار کوشش کی۔ "لیکن دوستو! ذرا ایک مرتبہ اپنے لڑکے کے مستقبل کی طرف تو غور کرو۔ اُس کا کتنا بھلا ہوگا اُس کی زندگی ——"

کسان کی بیوی اُبل پڑی۔ بیچ ہی میں رو کر بولی —" ہم کو سب معلوم ہے! ہم نے سب کچھ سوچ لیا ہے ہٹئے جائیے یہاں سے۔ پھر کبھی اِس کام کے لئے نہ آنا۔ بڑے آئے میرا بچہ چھیننے کے لئے!"

باہر نکلتے نکلتے مادام ہنری کو خیال آیا کہ اُسی بچہ کے برابر ایک بچہ اور بھی وہیں ہے۔ اُس نے آنسو بھری آنکھوں سے اور ساری رُسوائی کو پی کر ایک بے حیا ہٹی عورت کی طرح پوچھا "دوسرا چھوٹا بچہ تو شاید آپ کا نہیں ہے؟"

"نہیں۔ وہ ہمارے پڑوسی کا ہے۔ آپ چاہیں تو اُن کے یہاں جا سکتے ہیں"۔ کسان نے جواب دیا۔ اس کے بعد وہ اندر چلا گیا جہاں اُس کی بیوی غصہ سے جلی ہوئی ابتک نہ جانیں کیا کیا بک رہی تھی۔

(۳)

اُس وقت ویلین خاندان کھانا کھا رہا تھا۔ اپنی کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے وہ لوگ مکھن کی پتلی پرت لگا کر اچار کے ساتھ روٹیاں کھا رہے تھے۔

مادام ہنری نے اپنی بات دُہرائی لیکن اس بار بڑی منت اور لجاجت کے ساتھ!

اُن لوگوں نے بھی پہلے انکار کر دیا لیکن جب اُنھیں معلوم ہوا کہ انھیں سنو فرانک گھر بیٹھے ماہ بماہ ملیں گے تو وہ دونوں ایک دوسرے کو غور سے دیکھنے لگے۔ وہ لوگ بڑی دیر تک کبھی گہری فکریں ڈوبے رہے۔

آخر کار بیوی نے میاں سے پوچھا "آپ کیا سوچتے ہیں؟"

اُس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔ "میری رائے میں تو اس پیشکش کو ٹھکرانا نہ چاہیئے۔"

تب تو مادام ہنری جو ابتک بڑی بےچینی کے ساتھ جواب کی منتظر تھیں اُن لوگوں کو اُنکے لڑکے کا شاندار مستقبل بتانے لگیں۔

کسان نے دریافت کیا "بارہ سو فرانک سالانہ پنشن دینے کا اقرار نامہ آپ وکیل کے سامنے لکھ دیں گی نہ؟"

موشئے ہنری نے کہا "بے شک کل ہی!" تب کسان کی بیوی جو ابتک فکر میں ڈوبی ہوئی تھی بولی۔ "ہمارے بچے کی کمی پوری کرنے کے لئے سو فرانک تو کم ہے۔ کچھ ہی دنوں میں بڑا ہو کر وہ کام کاج کرنے کے قابل ہو جائے گا اور ہمیں مدد دینے لگے گا۔ ہمیں تو ایک سو بیس فرانک ملنا چاہیئے"۔

خوشی سے کھل کر مادام ہنری نے لپک کر بچے کو اُسی طرح

گود میں اُٹھا لیا جس طرح کوئی بچہ دُکان سے کھلونا اُٹھالے۔

اپنے دروازے پر کھڑے ہوئے ٹُوچے خاندان کے میاں بیوی سخت چہرہ بنائے چپ چاپ انھیں بچے کو لے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ شاید مادام ہنری کی پیش کش نہ منظور کرنے پر اب انھیں پچھتاوا ہو رہا تھا۔

(۴)

اس طرح ننھے اجین ویلین کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا۔ ہر ماہ بچے کے والدین اپنی پنشن لینے کے لئے وکیل کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ ٹُوویچ کی بیوی اُن کے اس کام کی جگہ جگہ بُرائیاں کرتی اور موقع بے موقع انھیں بھی طعنے دیتی کہ اُن کا یہ کام قابل ملامت ہے۔

کبھی کبھی وہ جوش میں آکر اپنے بچے شارلانٹ کو گود میں اُٹھا لیتی اور اُسی کو مخاطب کر کے گویا وہ سب کچھ سمجھ رہا ہے کہنے لگتی "پیارے بچے میں نے تمھیں نہیں بیچا ہے۔ نہیں۔ میں اپنے لال کو کبھی نہ بیچوں گی! میں غریب ہوں تو کیا ہوا میں اپنے لال کو کبھی نہ بیچوں گی۔"

برسوں تک ایسا ہی چلتا رہا۔ وہ گھر کے باہر بھی بیٹھ کر زور زور سے یہی باتیں کہتی تاکہ پڑوسی بھی سن سکیں۔ ٹُوویچ کی بیوی کو اس بات کا غرور تھا اور اس کے لئے وہ اپنے آپ کو آس پاس کے گاؤں میں سب سے بڑھ کر سمجھتی تھی۔ اور لوگ اُس کے بارے میں کہتے "بھلے ہی اُسے بڑا بھاری فائدہ کیوں نہ رہا ہو لیکن اُس نے جو کچھ کیا اُسی کے کرنے میں ایک ماں کی شان ہے۔"

لوگ ہر بات میں اُس کی مثال پیش کرتے تھے۔ شارلانٹ بھی اب اٹھارہ سال کا ہو چکا تھا اُس کی تربیت اور پرورش ہی اپنے

تمنہ میاں مٹھو بننے والے خاندان میں ہوئی تھی۔ چنانچہ اپنے ساتھیوں کے درمیان وہ بھی کبھی کبھی اُس بات کو لے کر ڈینگ ہانکتا تھا۔

بیلین خاندان بڑے مزے سے اپنے دن گذار رہا تھا۔ وہ لوگ اپنے مقدر کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔ ان لوگوں کو آرام سے زندگی بسر کرتے دیکھ کر ٹُوویچ خاندان حسد سے جل اُٹھتا تھا کیونکہ وہ ابھی تک غریب کا غریب ہی تھا۔

ویلین خاندان کا سب سے بڑا لڑکا فوجی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گیا تھا۔ دوسرا مر چکا تھا۔

شارلانٹ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ کھیتی کا کام کرتا تھا اور کنبہ کی پرورش کرنے میں اُس کی مدد کرتا تھا۔

(۵)

اُس وقت شارلانٹ کی عمر اکیس[۲۱] برس کی تھی۔ ایک دن ایک عمدہ سی گاڑی ان گھروں کے سامنے آکر رُکی۔ ایک نوجوان سونے کی زنجیر میں گھڑی باندھے ہوئے اُس گاڑی سے نیچے اُترا اور سفید بالوں والی ایک بُڑھیا کو ہاتھ کا سہارا دے کر نیچے اُتارنے لگا۔ وہ بُڑھیا اُس سے کہہ رہی تھی "اُس طرف میرے بچے۔ اُدھر۔ دوسرے گھر کی طرف۔" گویا وہ بیلنوں کے گھر کا حال رتی رتی جانتا ہو۔ اسطرح آسانی کے ساتھ گھر میں چلا گیا۔ اُسکی بوڑھی ماں کپڑے دھو رہی تھی۔ کمزور اور بوڑھا باپ انگیٹھی کے پاس لیٹا ہوا سو رہا تھا۔ دونوں حیران و ششدر اُن کی طرف دیکھنے لگے اور نوجوان نے باری باری سے کہا "آج کا دن مبارک ہے دادا اور اماں۔ آج کا دن مبارک ہے۔"

وہ دونوں چونک کر کھڑے ہو گئے۔ بُڑھیا کے ہاتھ سے صابن چھوٹ پڑا۔ وہ چلائی "میرے بچے! تم؟ کیا سچ مچ تمھیں؟"

اس نے آگے بڑھ کر اپنی ماں کو چھاتی سے لگا لیا اور پھر وہی الفاظ دہرائے۔ بوڑھا اُسے ابتک اُسی طرح ایک ٹک دیکھتا رہا اور پھر بول اُٹھا "جین، تو تم پھر واپس آگئے" گویا اُس نے اُسے ایک مہینے پہلے ہی چھوڑا ہو۔

اور کچھ ہی دیر بعد اُسے لے کر بوڑھے ماں باپ پاس پڑوس کے لوگوں سے اُس کا تعارف کرانے نکل پڑے۔ وہ لوگ بالترتیب میئر پادری اور اسکول ماسٹر کے یہاں پہونچے۔

اپنی جھونپڑی کے دروازہ پر کھڑا کھڑا شارلانٹ اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ شام کو کھانا کھاتے وقت اُس نے اپنے والد سے کہا "ویلینوں کا بچہ اُسے لینے کا موقعہ دیکر تم لوگوں نے سخت غلطی کی ہے۔"

اُس کی ماں نے ایک خاص انداز سے سر مٹکا کر کہا "ہمیں اپنا بچہ نہیں بیچنا تھا" اس کے والد نے کچھ جواب نہ دیا۔

لڑکا کہتا گیا "اس طرح کی قربانی کا نتیجہ کچھ بُرا نہ ہوتا۔"

ٹوویچ نے غصہ سے لال ہو کر کہا "تو کیا تو ہمیں ڈانٹ بتا رہا ہے کہ ہم نے تمہیں کیوں نہیں بیچا؟"

اور وہ نوجوان حیوانیت سے بھرے ہوئے انداز میں بول اُٹھا "ہاں میں بے شک تم لوگوں کو پھٹکاروں گا۔ تم لوگ اُس وقت پاگل بن گئے تھے۔ تمہارے ہی ایسے ماں باپ اپنے بچوں کی زندگی تباہ کر ڈالتے ہیں۔ مجھکو چاہئے کہ اب سے بھی میں تم لوگوں کو چھوڑ دوں۔ یہی تمہاری مناسب سزا ہوگی۔"

ٹوویچ کی بیوی وہیں تھالی لیئے آنسو بہا رہی تھی۔ اُس کے مُنہ کا لقمہ آدھا باہر آگیا اور اس کی سسکیاں گہری ہوتی گئیں۔

لڑکا اُسی طرح بے دردی سے کہتا گیا "اس سے تو اچھا یہی تھا کہ میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ جب میں نے آج ویلین کا ٹھاٹ دیکھا تو میرا خون کھولنے لگا میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج میں بھی اسی حالت میں ہوتا!" مشتعل ہو کر

وہ اُٹھ بیٹھا۔

"اب تو یہی اچھا ہوگا کہ میں تم لوگوں کا ساتھ چھوڑ دوں اور لمحہ بھر بھی یہاں نہ ٹھہروں کیونکہ میں صبح سے شام تک تم لوگوں کو اب جھڑکتا ہی رہوں گا۔ اس طرح تمہاری زندگی بھی عذاب بن جائے گی۔ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ میں تم لوگوں کو معاف کر دوں۔"

بوڑھے کسان میاں بیوی نے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ چپ چاپ آنسو بہاتے رہے، لیکن لڑکا کہتا گیا "اوہ بھولنا اور معاف کرنا! یہ تو خواب میں بھی نہیں ہوسکتا، میں کہیں بھی رہ کر اپنا پیٹ پال لوں گا۔"

اُس نے جھونپڑے کا دروازہ کھولا۔ کتنے ہی لوگوں کے ناچنے گانے کی آواز آئی ویلین خاندان اپنے لڑکے کے گھر لوٹنے کی خوشیاں منا رہا تھا۔

شارلانٹ نے زور سے اپنا پیر زمین پر ٹپکا اور پھر اپنے والدین کی طرف حقارت سے دیکھکر چلایا۔ "تم، بد نصیب!"

—— اور رات کی تاریکی میں وہ غائب ہوگیا۔

ہار

وہ اُن خوبصورت لڑکیوں میں سے ایک تھی جو اپنے اگلے جنم کے کسی پاپ کی وجہ سے مزدور طبقہ میں جنم لیتی ہیں۔ اُس کے پاس عیش و آرام اور آرائش کا کوئی سامان نہ تھا اور نہ ان کے حاصل ہونے کا ہی کوئی ذریعہ تھا۔ اُس کی ان خواہشات کی تکمیل کا صرف ایک ہی راستہ نظر آتا تھا یعنی کسی مالدار شخص سے شادی کرنے کی ہوس۔ لیکن بدقسمتی سے کسی بھی مالدار شخص سے اُس کی جان پہچان نہ تھی۔ اس لئے اُس نے وزیر تعلیم کے دفتر کے ایک کلرک سے شادی کر کے اپنی دیہاتی زندگی سے پیچھا چھڑایا۔

چونکہ آرائش کے سامان خریدنے کے لئے اُس کے پاس ذرائع نہ تھے اس لئے وہ ہمیشہ سادے کپڑے پہنتی تھی لیکن دل میں وہ ہمیشہ اپنی مجبوری پر کڑھا کرتی تھی گویا سماج میں اُس کی ویسی عزت نہ ہو جس کی وہ اپنے کو مستحق سمجھتی ہو۔ عام طور پر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ جو عورتیں اونچے خاندانوں میں نہیں پیدا ہوتیں لیکن سماج کی نظروں میں اونچا بننا چاہتی ہیں وہ عموماً ظاہری بناؤ سنگار ہی کو ناموری حاصل کرنے کا ذریعہ بناتی ہیں۔ اپنی پیدائشی فہم و فراست، حسنِ سلوک اور اپنے قابل تعریف برتاؤ سے ہی وہ وہی درجہ حاصل کر لیتی ہیں جو اُن کی مالدار بہنوں کو یوں ہی حاصل ہیں۔ وہ جب کبھی اپنے گھر کی چیزوں پر نظر ڈالتی تبھی اُسے اپنے گھر میں عیش و عشرت کی چیزوں کی کمی بُری طرح کھٹکتی۔ کہنے کا مطلب یہ کہ معمولی سے معمولی چیز کی کمی بھی جس کی ضرورت دوسری عورتوں نے کبھی محسوس بھی کی ہو گی اُسے بُری طرح کھٹکتی تھی۔ ایک انگریز بوڑھی کپتان عورت کو سادگی سے اپنی زندگی بسر کرتے دیکھ کر

اس کے دل میں کتنی ہی طرح کی ٹیس اٹھتی تھی۔

وہ ان خوبصورت محلوں کے خواب دیکھتی جن میں بڑے بڑے فانوس لٹک رہے ہوں، جن کے ملائم اور خوبصورت قالینوں اور دریوں پر چلنے سے اُس کے دل میں ایک ہلکی سی گدگدی پیدا ہوتی رہے۔ جس کی دیواروں پر بیش قیمت ریشمی کپڑے لٹک رہے ہوں اور کمرے کے باہر بنچ پر اُنگھتا ہوا دربان اُس کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو۔ وہ اُن سجے سجائے چھوٹے چھوٹے کمروں کا بھی خواب دیکھ رہی تھی جہاں شام کے وقت وہ اپنے خاص خاص دوستوں اور مشہور آدمیوں سے بیٹھ کر باتیں کرے، جن کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی تمنا ہر فرانسیسی عورت کے دل میں موجود ہے۔

جب وہ اپنی میز پر بیٹھتی جس کا میز پوش گندا ہونے پر بھی وہ ایک ہفتہ سے پہلے نہ بدل سکتی یا جب وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شوہر کو پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سنتی "اوہ کتنا عمدہ کھانا ہے! اس سے عمدہ کھانا اور کون سا ہو سکتا ہے"! تو اُس کے دماغ میں دعوت کے شاہی کمروں کا نقشہ کھنچ جاتا تھا جن کی دیواروں پر طرح طرح کے بیش قیمت پردے پڑے ہوں اور مصوری کے نادر نمونے لٹک رہے ہوں۔ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کانا پھوسی کرتی ہوئی کمسن چھوکریاں، جو اپنے جذبات پر قابو پانے میں ماہر ہوں، چاندی کی طشتریوں اور مینا کی ہوئی رکابیوں میں عرق گلاب سے تر کئے ہوئے پکوان کھاتی ہوئی اُس کی آنکھوں کے سامنے سے گذرنے لگتی تھیں۔ اس کے پاس آرائش کی چیزیں نہ تھیں، بیش بہا جواہرات بھی نہ تھے لیکن وہ ان کے لئے اُسی طرح تڑپتی تھی جس طرح عرب کا اونٹ اپنے ریگستانی وطن کے لئے تڑپتا ہے۔ یہاں اُسے کون سا آرام تھا کہ وہ بشاش نظر آتی، کوئی اس کو دیکھ کر جلتا، کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا اور دیوانہ وار اُس کے گھر کا چکر کاٹتا!

اُس کے بچپن کی ایک مالدار ساتھی تھی۔ لیکن اُس کے یہاں بھی آنا جانا اُس نے بند کر دیا تھا کیونکہ جب کبھی وہ اُس کے یہاں جاتی، اُس کے سامان آسائش کو دیکھ کر وہ اپنی مجبوریوں کو یاد کرتی اور دل ہی دل میں کڑھتی اور تمام دن پریشان رہتی اور گھر واپس آکر آنسو بہاتی تھی۔

ایک دن شام کے وقت اُس کا شوہر ہاتھ میں ایک بڑا لفافہ لئے ہوئے خوش خوش گھر واپس آیا۔

"دیکھو۔ یہ تمہارے لئے ہے!" اُس نے خوشی سے کہا۔

اُس نے مارے خوشی کے جلدی سے لفافہ پھاڑ ڈالا اور اُس میں رکھا ہوا ایک دعوت نامہ باہر نکالا جس میں لکھا ہوا تھا۔

"وزیر تعلیم اور ان کی بیوی مادام جارجس ریمپون کی خواہش ہے کہ مسٹر اور مسز لائسیل سوموار ۱۸ جنوری کو شام کے کھانے میں شریک ہو کر انھیں شکریہ کا موقعہ دیں۔"

جیسا کہ اُس کے شوہر نے خیال کیا تھا، خوشی سے اُچھل پڑنے کے بجائے اُس نے دعوت نامہ کو میز پر پھینک کر غمگین صورت بنا کر کہا "میں اس کا کیا کروں؟"

"پیاری میں نے تو سوچا تھا کہ اِسے پا کر تمہیں بڑی خوشی ہوگی۔ تم کبھی بھی باہر نہیں جاتی ہو یہ ایک ایسا موقع ہے جب تمہیں باہر چلنا ہوگا۔ میں نے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اس دعوت نامہ کو حاصل کیا ہے۔ سبھی اِسے حاصل کرنے کے درپئے تھے۔ میرے ایسے ادنیٰ درجہ کے ملازم کے لئے تو ان کا حاصل کرنا ناممکن ہی ہے۔ وہاں تم بڑے بڑے افسروں کے ساتھ ہوگی۔"

اُس نے اُس کو حقارت انگیز نگاہوں سے دیکھ کر بڑی بے صبری کے ساتھ کہا "لیکن میں پہنوں گی کیا؟"

بھید کھل گیا۔ اُس نے اس بارے میں ذرا بھی نہ سوچا تھا۔ "لیکن وہ...... پوشاک جسے پہن کر تم تھیٹر جاتی ہو" وہ رُک رُک کر کہتا گیا۔ "مجھے تو اُس پوشاک میں تم بڑی حسین معلوم ہوتی ہو"

بیوی کو آنسو بہاتے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ موتی کی طرح دو بوندیں دھیرے دھیرے اُس کے گالوں پر ڈھلک رہی تھیں۔

"آخر بات کیا ہے؟" اُس نے دھیرے سے پوچھا۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنے اُمڈتے ہوئے آنسوؤں کو روکا اور آہستہ سے بولی۔ "کوئی بات نہیں۔ میرے پاس بناؤ سنگار کی کوئی چیز نہیں ہے اسی لئے میں نہیں جا سکتی۔ یہ دعوت نامہ اپنے کسی دوست کو دیدینا جس کی بیوی اتنی خوش نصیب ہو کہ حسب موقع بناؤ سنگار کرنے کے لایق اُس کے پاس سامان ہوں"

اُس نے نااُمید ہو کر کہا "دیکھو میتھلڈے، ذرا بتاؤ تو اُس موقع کے لئے پوشاک بنوانے میں کیا خرچ ہوگا۔ پوشاک ایسی ہو جو ہر موقع پر کام آسکے اور اس کے ساتھ ہی سستی بھی ہو۔"

وہ کچھ دیر تک چُپ چاپ کھڑی ہوئی سوچتی رہی اور اپنی اُنگلیوں پر گِن کر حساب لگاتی رہی۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کوئی ایسی رقم بتائی جائے جو اُس کے کفایت شعار خاوند کو ڈرا نہ دے۔ بالآخر اُس نے شرماتے شرماتے کہا "ٹھیک سے تو کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن شاید چار سو فرانک کافی ہوں گے۔"

وہ لرز گیا۔ وہ بمشکل تمام اِتنی ہی رقم جمع کر سکا تھا۔ سو بھی محض اس لئے کہ آنے والی گرمی میں وہ ہر اتوار کے دن اپنے دوست کے ساتھ شکار پر جانے کی اسکیم بنا رہا تھا۔ اس کام کے لئے ایک بندوق خریدنا تھی۔ پھر بھی اُس نے اپنا خیال نہ کرکے کہا "اچھا تو تمہیں چار سو فرانک تو

مل ہی جائیں گے لیکن کوشش کر کے پوشاک عمدہ سے عمدہ بنوانا۔"

مقررہ تاریخ نزدیک آتی جارہی تھی لیکن مادام نیل پھر بھی کچھ اداس اور غمگین نظر آتی تھیں ان کی پوشاک تیار تھی اسے اور کیا چاہئے تھا۔ ایک دن اس کے خاوند نے دریافت کیا "بات کیا ہے کہ گذشتہ اتنے دنوں سے تم پریشان سی نظر آتی ہو۔"

اس نے جواب دیا "مجھے اس بات کا بڑا رنج ہے کہ میرے پاس ایک بھی بیش قیمت ہار نہیں ہے۔ میں یہی سوچ سوچ کر گھلی جارہی ہوں کہ امیروں کے اس مجمع میں میری کیا عزت رہے گی! کبھی کبھی تو میں یہ سوچتی ہوں کہ نہ جاؤں تو سب سے اچھا رہے"!۔

"اوہ تم طرح طرح کے پھولوں سے اپنے کو بخوبی آراستہ کرسکتی ہو۔ ان دنوں تو پھولوں کی بہار ہے۔ دس فرانک خرچ کرنے سے تمھیں گلاب کے تازے اور خوبصورت پھول کافی مل سکتے ہیں۔"

لیکن اس ترکیب سے وہ مطمئن نہ ہوئی۔

"نہیں امیروں کے درمیان معمولی طرح سے جانا بڑی بے عزتی اور ہتک آمیز بات ہوگی۔" وہ بولی "لیکن کیسی بیوقوف ہو تم! ایسا ہی ہے تو تم اپنے دوست مادام فاریسٹر سے ہی اس کے گہنے مانگ لاؤ۔ تم سے تو اس کا بڑا یارانہ ہے۔"

وہ مارے خوشی کے چلّا اٹھی "ہاں ٹھیک۔ مجھے تو اس کا خیال بھی نہ تھا۔"

دوسرے ہی روز وہ اپنے دوست کے گھر پہونچی اور شروع سے اخیر تک اسے سارا قصہ سنادیا۔ مادام فاریسٹر نے الماری کھولی اور ایک بڑی سی پٹاری نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ اس نے پٹاری کھولتے ہوئے کہا "یہ سب تمہارا ہی ہے۔ جو چاہے پسند کرلو۔"

پہلے اس نے کنگن چنے۔ پھر موتیوں کی ایک مالا اور وینس فیشن سونے اور قیمتی جواہرات کا جڑاؤ ہار پسند کیا۔ انہیں ایک ایک کر کے اس نے پہنا اور شیشہ میں اپنی صورت دیکھی۔ وہ کچھ طے نہ کرسکی کہ کس کو لے اور کس کو نہ لے۔

"اور نہیں ہے" اس نے پوچھا۔

"نہیں اب تو کوئی چیز نہیں ہے۔ معلوم نہیں تم کیا چاہتی ہو" مادام فاریسٹر نے کہا دفعتاً اس نے ایک سیاہ ریشمی کیس کھولا اور ہیروں کے ایک ہار کو دیکھ کر اچھل پڑی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے دل میں سوچا کاش یہ میرا ہوتا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے اٹھایا اور اپنی لمبی صراحی دار گردن میں ڈال لیا۔ وہ اپنی خوبصورتی پر آپ ہی موہت ہوکر شیشہ کے سامنے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کچھ دیر بعد ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ایسی بیش قیمت چیز کے لئے مادام فا انکار نہ کردے اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "بس میں یہی چاہتی ہوں کیا تم اس کو دیسکتی ہو"؟

"کیوں نہیں۔ اگر تمہیں پسند ہے تو کیوں نہ دوں گی۔"

اس نے اپنی سہیلی کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے کس کر سینے سے لگالیا۔ اور پھر ہار لیکر جلدی سے چلی آئی۔

دعوت کا دن آپہنچا۔ مادام لائسیل کا بناؤ سنگار سب سے بڑھکر تھا۔ وہ موجودہ عورتوں میں سب سے زیادہ دلفریب، خوبصورت اور شاندار نظر آتی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے ہنسی پھوٹ رہی تھی۔ کچھ مشہور آدمی بھی اس کی طرف متوجہ رہے۔ دعوت میں ہر جگہ اسی کا چرچا رہا۔

"وہ کون ہے۔"

وزارت کا ہر ایک ممبر اُسی کے ساتھ ناچنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ خود وزیرِ تعلیم نے اُسی کے ساتھ ناچنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ مارے خوشی کے تھرک رہی تھی اور لوگوں پر اپنے حسن و آرائش کا جادو اثر کرتے دیکھ کر پھولی نہ سماتی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کی زبان سے اپنی تعریف سُن کر اُس پر نشہ چھا رہا تھا۔ وہ ایسا محسوس کر رہی تھی گویا مسرت کے بادلوں پر اُڑی جا رہی ہو۔ لوگ اس کے حُسن بے پناہ کی تعریف کے پُل باندھ رہے تھے اور وہ عورتوں کی فطری کمزوری کا شکار ہو کر لوگوں کی اس چاپلوسی پر کھوئی کھوئی سی چاروں طرف کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہی تھی۔ تقریباً چار بجے ناچ بند ہُوا۔ اُس کا خاوند اپنے کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کئے ہوئے آدھی رات سے سو رہا تھا۔ دو تین آدمی اور اُسی کمرے میں اپنی بیویوں کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

اُس نے اُس کے کندھوں پر ایک سادا سا لبادہ پھینک دیا جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی وہ لبادہ دعوت کی اُس شاندار پوشاک کا مضحکہ اُڑا رہا تھا۔ لبادے میں اُسے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ اُس کا دم گھٹ رہا ہے۔ وہ جلدی جلدی چلنے لگی تاکہ قیمتی کھال کے کوٹ والی عورتوں میں سے اُسے کوئی دیکھ نہ لے۔

"ٹھہرو!" اس کے خاوند نے کہا "تمھیں سردی لگ جائیگی۔ مَیں گاڑی منگاتا ہوں،" لیکن اُس نے ذرا بھی پروا نہ کی اور جلدی سے سیڑھیاں اُتر گئی۔ وہ لوگ جب سڑک پر پہونچے تب کوئی بھی گاڑی نہ ملی اور اُنھیں مجبوراً کچھ دیر کے لئے رُکنا پڑا۔ جتنی گاڑیاں آئیں سب بھری ہوئی تھیں چنانچہ کچھ دیر مزید انتظار کے بعد اُن لوگوں نے گھر کا راستہ لیا۔

لیکن کچھ دُور چلنے کے بعد اُنھیں ایک عجیب سی گاڑی ملی جس نے لڑکھڑاتے ہوئے کسی طرح اُنھیں گھر پہونچایا۔ کتنوں ہی دنوں سے جس شاندار رات کا وہ انتظار کر رہے تھے اُس کا یوں خاتمہ ہوا۔

شیشے کے سامنے پہونچکر ایک بار اپنے حُسن کی جی بھر کر تعریف کرنے کے لئے وہ کچھ دیر کے لئے مُڑی اور اپنا لبادہ اُتار کر الگ پھینک دیا۔ لیکن اپنا عکس دیکھتے ہی اُس کی زبان سے بے اختیار نکلا "اوہ! ہیروں کا ہار!"

اونگھتا ہوا اُس کا شوہر چونک کر اُٹھ بیٹھا "کیا بات ہے؟" اُس نے گھبرا کر پوچھا۔ اُس نے خوفناک نظروں سے اُس کی طرف دیکھکر مادام "مادام فارسٹیر کا ہار۔ ۔ ۔ ۔ کہیں گم ہوگیا۔"

وہ گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا! کس طرح؟ لیکن یہ تو ممکن نہیں ہے!" اور اس کے بعد وہ لوگ کپڑوں کی تہوں میں، جیبوں میں، اور لبادے میں اُسے ڈھونڈھنے لگے اُن لوگوں نے کوئی جگہ نہ چھوڑی لیکن ہار پھر بھی ہاتھ نہ لگا۔

"تمھیں یقین ہے کہ ناچ کے بعد بھی تم اُسے پہن کر باہر نکلی تھیں" اُس نے پوچھا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُس گھر کے دروازہ تک وہ تھا۔"

"لیکن اگر سڑک پر گرا ہوتا تو ضروری ہی ہم نے گرتے وقت اُس کی آواز سُنی ہوتی۔ ضرور ہی وہ گاڑی میں گرا۔"

ہاں یہی بات ہے"

"کیا تمھیں گاڑی کا نمبر یاد ہے؟"

"نہیں۔ تم نے اُس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کی۔"

"نہیں"

وہ سہمے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر کار موشئے

لاں سیل نے کپڑے پہن لئے۔

"ہم جتنی دور تک پیدل چلے ہیں وہاں ابھی جاکر میں اُسے ڈھونڈھتا ہوں۔شاید مل جائے!"

وہ اُسی وقت باہر نکل گیا۔دعوت کی اس شاندار پوشاک میں وہ بُت بنی بیٹھی رہی۔نہ تو اُسے نیند آرہی تھی اور نہ وہ کچھ سوچ سکتی تھی۔آنے والی مصیبت کا خیال کرکے وہ کانپ اٹھی۔

سات بجے لاں سیل خالی ہاتھ واپس لوٹا۔وہ پولیس میں اطلاع کر آیا تھا اور سب اخباروں میں نوٹس دے آیا کہ پانے والے کو خاصی رقم بطور انعام دیجائیگی۔اُسے جہاں جہاں ملنے کی اُمید تھی سب جگہ اس نے چکّر لگایا۔

دن میں وہ پھر کھوجنے کے لئے نکلا اور اس کی بیوی طرح طرح کے خیالات میں ڈوبی اُس کی راہ دیکھتی رہی۔شام کے وقت وہ گھر لوٹا تھکا ہوا اور حواس باختہ۔ہار کے ملنے کی کوئی اُمید نہ رہ گئی۔

"تم اپنی سہیلی کو لکھ دو کہ ہار کی کڑی ٹوٹ گئی ہے اس لئے اُس کو درست کرنے کے لئے دیدیا گیا ہے۔اس طرح تلاش کرنے کے لئے ہمیں کچھ اور مہلت مل جائیگی" اُس نے صلاح دی۔

× × × ×

ایک ہفتہ ختم ہوتے ہوتے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔لاں سیل کو ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا اس حادثہ نے اُس کی عمر کے پانچ سال بڑھادیئے ہوں۔نڈھال ہوکر وہ بولا "چلوں کوشش کر کے دیکھوں۔شاید کسی طرح یہ کمی پوری ہوجائے۔"

ہار کے ڈبے پر جس جوہری کا نام لکھا تھا وہ لوگ دوسرے دِن اُسی جوہری کے یہاں پہونچے اُس نے اپنی دکان کا روزنامچہ دیکھا اور بولا۔

"مادام میں نے تو ہار نہیں فروخت کیا۔صرف یہ ڈبہ ہی یہاں سے خریدا گیا ہے۔"

تب وہ ہر ایک جوہری کی دُکان پر جاجا کر اُسی طرح کا ہار ڈھونڈھنے لگے۔اس وقت افسوس کی وجہ سے اُن دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔آخر کار پلیس رائل میں ایک دوکان میں اُسی سے ملتا جلتا ہار نظر آیا۔دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ انھوں نے اُس کی قیمت دریافت کی "چالیس ہزار فرانک لیکن اُن کو وہ چھتیس ہزار ہی میں مل سکتا ہے۔"

انھوں نے جوہری سے اُسے تین دن تک نہ فروخت کرنے کی استدعا کی۔اُس نے یہ بھی منظور کیا کہ اگر پہلے والا ہار مل گیا تو وہ اُسے فروری کے اخیر تک چونتیس ہزار فرانک میں واپس لے لے گا۔

لاں سیل کی آبائی جائداد کی قیمت اٹھارہ ہزار فرانک تھی۔باقی رقم اس نے اِدھر اُدھر سے قرض لے کر جمع کی۔اس طرح کا قرض لینے میں اُسے اپنی جان بھی مصیبت میں ڈال کر تباہ کن شرطوں پر پرونوٹ وغیرہ لکھنے پڑے۔ایسے دستاویزوں پر دستخط کرتے وقت اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا چھا گیا۔

جو بھی ہو اُس نے چھتیس ہزار میں نیا ہار خرید لیا۔

جب مادام لاں سیل ہار واپس کرنے گئیں تو مادام فارلیسٹر نے کسی قدر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "تمہیں اس کو ذرا جلدی واپس کردینا چاہئے تھا۔شاید مجھے ضرورت پڑ جاتی۔"

اُس نے کیس کھول کر اُسے ہار دکھلایا بھی نہیں۔مادام لاں سیل کو یہ ڈر تھا کہ کہیں کوئی فرق نظر نہ آجائے ورنہ وہ کیا خیال کرے گی؟ کیا وہ اُسے چور نہ سمجھے گی؟

اُسی دِن سے مادام لاں سیل کو پتہ لگا کہ مفلسی کسے کہتے ہیں! لیکن

اس مصیبت کے زمانہ میں بھی اُس نے صبر و سکون اور ہمت سے کام لیا اور پوری طرح اپنے خاوند کا ساتھ دیا۔ قرض کا یہ ناقابل برداشت بوجھ اُنھیں اُتارنا ہی تھا۔ کفایت شعار بننے کے لئے پہلے تو انھوں نے نوکروں کو الگ کیا اس کے بعد اُس مکان کو چھوڑ کر ایک چھوٹا سا مکان سستے کرایہ پر لیا جو غریبوں کی بستی میں تھا۔

اب اُسے معلوم ہوا کہ گرہستی کے کام کون سے ہوتے ہیں! چند ہی دنوں کی محنت نے اُن کے ملائم ہاتھوں کو سخت اور کھردرا بنا دیا۔ وہ خود ہی کپڑے اور برتن دھوتی اور گھر میں جھاڑو لگاتی اور کھانا پکاتی۔ باہر سے پانی لاتی اور ہر ایک سیڑھی پر دم لینے کے لئے رکتی۔ غریبوں کی طرح معمولی کپڑے پہنتی۔ خود بازار جاتی اور سودا خریدتے وقت اپنی محنت کی کمائی ہوئی رقم کی ایک ایک پائی بچانے کے لئے گھنٹوں سر کھپاتی!۔

ہر مہینہ انھیں کچھ قرض چکانا پڑتا اور کچھ کی میعاد وہ بڑھا دیتے۔

اس کا خاوند بھی نوکری سے چھٹی پا کر کچھ دکانوں پر حساب کتاب کا کام کرنے جاتا تھا اور اس طرح ہر ماہ وہ بھی کچھ نہ کچھ بچا لیتا تھا۔ کبھی کبھی تو اس طرح کے کاموں میں وہ ساری رات ہی صرف کر دیتا۔

اس طرح کی سخت محنت وہ لگاتار دس برس تک کرتے رہے۔

دس برس کے اخیر میں انھوں نے پورا قرضہ ادا کر دیا۔

اب مادام لاں سیل زندگی کی سختیاں جھیل کر ایک بڑھیا سی نظر آتی تھی۔ وہ مزدور عورتوں کی طرح مضبوط اور محنتی بن گئی تھی۔ قرب و جوار کی اُن عورتوں میں اس کی آواز سب سے زوردار تھی جو اپنے دروازے پر کھڑی ہو کر غپ لڑایا کرتی تھیں۔

لیکن جب اس کا خاوند دفتر میں ہوتا، وہ کبھی کبھی کھڑکی کے

پاس بیٹھ جاتی اور گذرے ہوئے دنوں کی اُس شام اور اس دعوت کی یاد کرنے لگتی جہاں اُس نے اپنے حسن کے جادو سے سب کو مسحور کر لیا تھا۔

اگر وہ ہار نہ کھوتی تو آج کے دن اُس کی کیا حالت ہوتی؟ یہ کون جان سکتا ہے۔

زندگی میں تغیّر ضروری ہے۔ ہر لمحہ دُنیا کی تبدیل ہی ہوتی رہتی ہے! کسی کے بنتے بگڑتے ایک لمحہ بھی نہیں لگتا!۔

× × × ×

ایک اتوار کا واقعہ ہے۔ جب وہ ہفتہ بھر کی پریشانیوں سے چھٹکارا پانے کے لئے گرجا کی طرف جا رہی تھی، اُس نے ایک عورت کو گود میں بچّہ لئے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ مادام فارییٹر ہی تھی، ابھی تک جوان کمسن اور دل موہنے والی!

ماں دام لاں سیل کے پاؤں کچھ عرصہ کے لئے دفعتاً رک گئے۔ کیا اُسے اُس سے بات کرنا پڑے گا؟"

"ہاں، ہاں، ضرور، ہی چونکہ اب اُس نے ہار کا سارا قرض چکا دیا ہے، اب وہ اُس سے ہار کے بارے میں سب باتیں بتائے گی" اُس نے دل میں سوچا۔

وہ آگے بڑھی اور بولی "اوہ آج کا دن مبارک جینی"!

مادام فارییٹر اُسے پہچان نہ سکی۔ ایک معمولی طبقہ کی مزدور عورت

کو اپنے ساتھ اس طرح بے تکلفی سے باتیں کرتے دیکھ کر اُسے بڑی حیرت ہوئی اور وہ گھبرا کر بولی "لیکن مادام شاید آپ بھولتی ہیں"۔

"کبھی نہیں۔ میں میتھلڈے لاں سیل ہوں"۔

"او میری پیاری میتھلڈے لاں سیل اتنی تبدیلی کیسے؟"

"ہاں ادھر کئی برسوں سے میں نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں اور وہ سب کچھ تمہاری ہی بدولت"،

"میری بدولت! کیسے"!

"کیا تمہیں یاد ہے، تم نے اپنا ہیروں کا ہار مجھے پہننے کو دیا تھا؟"

"ہاں یاد ہے۔ اچھی طرح!"

"وہ مجھ سے کھو گیا"۔

"کھو گیا! کس طرح! وہ تو تم نے مجھے لوٹا دیا تھا۔"

"میں نے اُسی طرح کا دوسرا ہار خرید کر لوٹایا تھا۔ اور اُسی قرض کو ہم دس برس میں ادا کر سکے ہیں تم جانتی ہی ہو کہ اتنا بڑا قرض چکانا ہم لوگوں کے لئے آسان نہ تھا۔ لیکن اب سب کچھ ادا ہو چکا ہے اور آج میں اس طرف سے بے فکر ہوں"۔

"تو تم نے میرے ہار کے بدلے میں ویسی ہی شکل کا ہیروں کا ہار خرید کر مجھ کو دیا؟" مادام فارسیٹر نے کہا۔

"ہاں۔ اور تم نے پہچانا بھی نہیں۔ وہ دونوں بالکل ملتے جلتے تھے"۔

وہ غرور سے مسکرائی۔

مادام فارسیٹر کا دل درد سے بھر آیا۔ اُس نے اُس کے سخت ہاتھوں کو پکڑ کر زور سے دبایا اور اُسے چھاتی سے لگا کر بولی "او میری پیاری لاں سیل، میرا ہار تو نقلی ہیروں کا تھا۔ وہ پانسو فرانک سے زیادہ لاگت کا نہ تھا!"

بُزدل

عوام میں وہ "خوبصورت بِگناس" کے نام سے مشہور تھا لیکن اُس کا اصلی نام تھا وسکاؤنٹ جوزف دبِگناس۔

وہ یتیم تھا لیکن ترکۂ پدری میں اُس کے ہاتھ بہت بڑی جائداد لگی تھی۔ وہ شوقین مزاج اور حاضر جواب تھا۔ باتیں وہ کچھ اس ڈھنگ سے کرتا تھا کہ لوگ اُسے چلتا پُرزہ بھی سمجھتے تھے۔ مزاج میں نرمی، زبان میں لوچ، تھوڑی سی تمکنت، بڑی بڑی شاندار مونچھیں اور بھید بھری ہوئی آنکھیں یہی اس کی وہ خوبیاں تھیں جن پر عورتیں فریفتہ تھیں۔

سبھا سوسائٹیوں میں اُس کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ ناچنے والی کمسن عورتیں ہمیشہ اُسے ڈھونڈھتی رہتی تھیں۔ وہ اپنی سوسائٹی کے لوگوں کو بھی خوب ہنسایا کرتا تھا۔ لوگ کتنی ہی رومانی داستانوں کے ساتھ اسکا تعلق ظاہر کرتے۔ کتنے ہی غیرشادی شدہ نوجوان اُسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ بڑی پُرلطف اور بے فکری کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ تلوار چلانے میں وہ بے مثل تھا اور ہمیشہ پستول ساتھ رکھنے کی وجہ سے اُس کی بڑی عزّت تھی۔

اگر میں کبھی کسی کے ساتھ ڈوئل کروں" وہ شان سے کہتا "تو میں پستول ہی کو پسند کروں گا کیونکہ اُس کی مدد سے مَیں ضرور اپنے دشمن کو مار گراؤں گا۔"

ایک دن شام کے وقت وہ اپنی دو کمسن محبوبہ لڑکیوں کے ساتھ ناٹک

دیکھنے گیا۔ ان کے شوہر بھی ساتھ ہی تھے۔ کھیل ختم ہونے کے بعد شربت پلانے کے لئے وہ انھیں پاس ہی کے ایک ہوٹل میں لے گیا۔ وہ لوگ وہاں جاکر بیٹھے ہی تھے کہ اُس نے قرینہ سے تاڑ لیا کہ پاس ہی کے ٹیبل پر بیٹھا ہوا ایک آدمی اُس کی ایک محبوبہ کو گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ وہ کمسن محبوبہ اس بات کو محسوس کرکے جھنجھلاسی رہی تھی اور شرم کے مارے آنکھیں بھی نیچی کئے تھی۔ آخر کار مجبور ہو کر اُس نے اپنے خاوند سے کہا۔ وہ شخص بڑی دیر سے مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ نہ معلوم کون ہے۔ تم اُسے پہچانتے ہو؟"

"اس کے خاوند نے جس کا دھیان ہی اُدھر کی طرف نہ تھا آنکھیں اوپر کی طرف اُٹھائیں اور کہا "نہیں مَیں اُسے بالکل نہیں جانتا۔"

اُس نے مسکراتے ہوئے لیکن کسی قدر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "یہ تو بڑی خراب بات ہے وہ شخص تو میرے شربت پینے کے مزے کو ایک دم کرکرا بنا رہا ہے۔"

اُس کے شوہر نے گردن نکال کر کہا "اُونھ جانے بھی دو اپنا کیا لیتا ہے۔ دُنیا میں اس طرح کے جتنے لوگوں سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے اگر ہم اُن سب لوگوں کی اتنی ہی پروا کریں تو ہماری زندگی ہی تلخ ہوجائے۔"

لیکن وسکاؤنٹ طیش میں آکر کھڑا ہوگیا۔ وہ اپنی دی ہوئی دعوت میں کسی کو اس طرح روڑے اٹکاتے ہوئے دیکھ نہ سکتا تھا۔ چونکہ ان لوگوں کو ہوٹل میں لے جانے والا وہی تھا اس لئے اس ہتک کو اُس نے اپنی ذلّت سمجھی۔ وہ اُس شخص کی طرف بڑھا اور بولا "ان کمسن عورتوں کی طرف آپ کا اس طرح دیکھنا مَیں ہرگز ہرگز گوارا نہیں کرسکتا۔ مہربانی کرکے اب آپ اپنی حرکتوں سے باز آیئے۔"

"بھاڑ میں جاؤ تم" اس شخص نے چھوٹتے ہی کہا۔

"جناب، ذرا سنبھل کر باتیں کیجئے۔ وسکاؤنٹ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اپنی ان حرکتوں سے تم مجھے اس بات کے لئے مجبور کر رہے ہو کہ میں پستول سنبھالوں۔"

اس کے جواب میں وہ شخص صرف ایک لفظ بولا" جو بہت ہی گندا اور بدتمیزی سے بھرا ہوا تھا اور جس نے ہوٹل کے کونے کونے میں گونج پیدا کر دی اور لوگ چونک پڑے۔ جو لوگ ان لوگوں کی طرف بیٹھ کئے ہوئے تھے انھوں نے اپنے مُنہ ان کی طرف کر لئے جو لوگ کھانے پینے میں مگن تھے انھوں نے ہاتھ سمیٹ کر گردن اوپر کو اُٹھالی۔ ہوٹل کے نوکر چاکر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور عورتیں خوف زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

چاروں طرف خوفناک خاموشی چھا گئی۔ دفعتاً ایک تیز آواز سے سارا ہال گونج اٹھا۔ وسکاؤنٹ نے کس کر ایک طمانچہ اپنے حریف کو لگا دیا۔ ہر ایک آدمی بیچ بچاؤ کرنے کے لئے دوڑ پڑا۔ آخر کار دونوں نے ایک دوسرے کو کے لئے ڈویل کے لئے للکارا۔

جب وسکاؤنٹ گھر پہنچا تو وہ اس قدر مشتعل ہو رہا تھا کہ کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی وہ اندر ٹہلتا رہا۔ غصہ کی وجہ سے اس کی قوت ارادی مفقود ہو گئی تھی۔ صرف ایک ہی خیال اُس کے دماغ میں چکر کاٹ رہا تھا "ڈویل!"

اور کسی طرح کے خیالات کے لئے اُس کے دماغ میں گنجائش نہ تھی۔ اُس نے وہی کیا جو اُسے کرنا چاہئے تھا۔ اُس کے اس طرح کے برتاؤ کا لوگ اِدھر اُدھر ذکر کریں گے۔ یقیناً لوگ اُسے پسند کریں گے اور اِدھر اُدھر سے اُس کے پاس مبارکباد کے پیغامات موصول ہوں گے۔ اُس نے دیوانہ وار چلّا کر کہا "کیسا جنگلی آدمی تھا وہ!

وہ نیچے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ اپنی پارٹی کو مضبوط کرنے کے لئے

ضرور ہی کچھ اچھے ساتھی چُننے ہوں گے۔ کن کن لوگوں کو وہ چُنے گا! وہ اپنے اُن سب دوستوں کے بارے میں سوچنے لگا جو کافی شہرت رکھتے تھے اور عوام میں جن کا نام تھا۔ بالآخر اُس نے دو نام چُنے ایک مارکوئس ٹورنائر اور دوسرا کرنل بارڈی۔ پہلا ایک معزز رئیس اور دوسرا ایک مشہور فوجی۔ وہ خوشی کے مارے اُچھل پڑا۔ اوہ اُن کے نام اخباروں میں بڑی شان سے جگمگا اُٹھیں گے! اُسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ پیاسا ہے اور یکے بعد دیگرے وہ تین گلاس پانی چڑھا گیا۔ اس کے بعد وہ پھر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی رگ رگ پھڑک رہی ہے۔ اُس نے سوچنا شروع کیا کہ اگر وہ ذرا بھی کڑک کر باتیں کرے گا سخت ترین ڈویل کے لئے اپنے حریف کو للکارے گا اور اس کے سامنے سخت سے سخت شرطیں رکھے گا اور ڈویل کے لئے ضد کرے گا تو اس کا ساتھی لڑنے کے بجائے ڈر کے مارے اُس سے معافی مانگ لے گا۔

اُس نے اپنے حریف کا تعارف نامہ میز پر سے اُٹھالیا اور دوبارہ بڑے غور کے ساتھ پڑھا۔ کیونکہ ہوٹل میں اُس نے اُسے محض سرسری طور پر دیکھا تھا اور گاڑی کی دھندلی روشنی میں اُسے ٹھیک سے نہ پڑھ سکا تھا۔ جارجس لیمل، ۵۱ ریو ماشنے۔" اس پر صرف اتنا ہی لکھا تھا۔

اُس نے بغور اِن چند لفظوں کو دیکھا۔ اُسے وہ بہت پُراسرار اور بے معنی سے معلوم ہوئے جارجس لیمل! کون ہے یہ؟ کیا کام کرتا ہے؟ وہ اس کی طرف اس طرح گھور گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا؟ کیا ایک بالکل ناواقف شخص اس طرح کسی عورت کی طرف دیکھ سکتا ہے؟

اور وسکاؤنٹ پھر چلّا اُٹھا "کیسا وحشی"!

وہ چُپ چاپ کھڑا تھا اور رہ رہ کر اُس خط کو دیکھ لیتا اور کچھ سوچنے لگتا تھا اسی کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھ کر اُس کے دل میں طوفان اُٹھ رہا تھا۔

اُس کے دل میں نفرت انگیز خیالات پیدا ہو رہے تھے اور وہ شدید بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

"کیسی بیوقوفی کا کام"! وہ پھر چلّایا اور ہاتھ میں لئے ہوئے کھلے چاقو سے اُس کاغذ پر لکھے ہوئے نام کو اس طرح جوش کے ساتھ کاٹنے لگا گویا کسی کا گلا کاٹ رہا ہو۔ تو اُسے لڑنا ہی چاہئے۔ لیکن کس ہتھیار سے؟ تلوار یا پستول؟ وہ اپنی بے عزتی محسوس کر رہا تھا۔ تلوار کی لڑائی میں اگرچہ اُسے کم خطرہ نظر آتا تھا لیکن پستول کے ڈویل میں یہ بھی ممکن تھا کہ اُس کا حریف ڈر کر معافی مانگ لے۔ تلوار کی لڑائی میں کاری ضرب لگنے کی کم گنجائش رہتی ہے۔ داؤ پیچ میں گھرے ہاتھوں سے بھی بچاؤ کیا جاسکتا ہے لیکن پستول کی لڑائی! اُس میں تو زندگی اور موت کا ہی سوال آجاتا ہے! لیکن پستول کی لڑائی میں وہ ضرور کامیاب ہوگا اور اس طرح عوام کی نظروں میں وہ عزت بھی حاصل کر سکے گا۔ پھر بھی وہ ٹھیک طے نہ کر سکا اور اسی ادھیڑ بن میں چلّا اُٹھا "مجھے یقیناً تیار رہنا چاہئے، وہ ڈر جائے گا۔"

وہ اپنی ہی آواز سے سہم گیا اور اپنے کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا۔ اُسے بڑی بےچینی معلوم ہوئی اور پانی کا ایک گلاس اُس نے اور پیا۔ اس کے بعد وہ سونے کی تیاری کرنے لگا۔

جیوں ہی وہ لیمپ بجھا کر بستر پر پہنچا اُس نے آنکھیں بند کرلیں اور سوچنے لگا۔

"مجھے انتظامات کرنے کے لئے کل کا سارا دن ملے گا اس لئے اب مجھے اطمینان سے سو جانا چاہئے۔"

لیکن وہ بستر پر آپ ہی آپ گرم ہو رہا تھا نیند کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کبھی ادھر کروٹ بدلتا کبھی اُدھر، کبھی تکئے کا سہارا لیکر بیٹھ جاتا

تھا۔ اُسے پھر پیاس معلوم ہونے لگی اور اُس نے اُٹھ کر پانی پیا۔ اس کے بعد ہی ایک خیال سے وہ پھر بے چین ہو اُٹھا۔

"کیا میں کبھی ڈر سکتا ہوں؟"

ان پہچانی ہوئی آوازوں کو سن کر بھی وہ کیوں ڈر گیا؟ گھڑی جب گھنٹے بجانے لگی تب وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ کتنی ہی دیر تک وہ گہری گہری سانس لیتا رہا۔

وہ اپنے آپ ہی اس واقعہ کا جائزہ لینے لگا "کیا میں سچ مچ ڈر رہا ہوں؟"

نہیں کبھی نہیں۔ چونکہ اُس نے ڈویل کرنا طے کر لیا تھا۔ اس کا ارادہ پختہ تھا لیکن اُس کے دل کی بیقراری اتنی بڑھتی جا رہی تھی کہ وہ رہ رہ کر اپنے سے سوال کر بیٹھتا تھا۔ "پختہ ارادہ ہونے کے بعد کسی کا ڈرنا کیا ممکن ہے؟"

اور اسی طرح کی بےچینی، گھبراہٹ اور خیالات اُسے کھائے جا رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اگر قوت ارادی سے بھی بڑھ کر کوئی طاقت اس کا گلا دبائے تو کیا ہوگا؟ جیسا کہ اُس نے طے کیا ہے، وہ میدان میں تو ضرور ہی اُترے گا۔ لیکن فرض کرو اگر اس کے ہاتھ کانپ اُٹھے یا اس کو غش ہی آجائے تو اُس کی عزت خاک میں مل جائیگی۔

وہ دفعتاً ایک جھکّی آدمی کی طرح اُٹھ بیٹھا اُسے آئینہ میں اپنا مُنہ دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ اُس نے دوبارہ لیمپ جلایا اور آئینہ کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔ جب چمکتے ہوئے آئینہ میں اُس نے اپنی شکل دیکھی تو اپنے کو وہ پہچان نہ سکا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا گویا اس شیشے والے آدمی کو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اُس کی آنکھیں ڈر کے مارے نکلی جا رہی تھیں اور اُس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

وہ آئینہ کے سامنے بھونچکا سا کھڑا تھا۔ اُس نے اپنی زبان باہر نکالی گویا وہ خود ہی ڈاکٹر کی طرح اپنی تندرستی کا معائنہ کر رہا ہو۔ اس کے دل میں یکایک تیر کی طرح یہ خیال آیا "یہ بھی ممکن ہے کہ پرسوں اسی وقت مَیں مَرا ہُوا کہیں پڑا رہوں!"

اُس کا دل پھر زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"مَیں پرسوں اسی وقت مرا ہوا بھی ہوسکتا ہوں۔ یہ شخص، شیشے کے سامنے کھڑا ہوا یہ مَیں اس دُنیا میں نہ رہوں گا! کیا! مَیں یہاں کھڑا ہوا ہوں اور آئینہ میں اپنا عکس دیکھ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت میں زندہ ہوں لیکن — ... لیکن محض چوبیس گھنٹوں میں مَیں مرا ہوا پڑا رہوں گا!"

میری آنکھیں بند ہوں گی۔ بدن سَرد ہوگا اور میری روح عالم بالا کی سیر کرتی ہوگی"!

وہ بستر کی طرف مُڑا اور اُسے صاف نظر آیا کہ وہ مردہ حالت میں اُس پر چت پڑا ہوا ہے۔ اور گالوں میں اُسی طرح کے گڑھے ہیں جس طرح کے گڑھے مرنے کے بعد انسان کے گالوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اُس کے ہاتھ بھی ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔

یہ خیال دل میں آتے ہی وہ اپنے بستر کو دیکھ کر ڈرنے لگا۔ کہیں اُس پر نگاہ نہ پڑ جائے اس لئے وہ دوسرے کمرے میں جاکر سگریٹ پینے لگا۔ اس کی گھبراہٹ بڑھتی ہی جا رہی تھی اور وہ ادھر اُدھر کمرے میں گھوم رہا تھا۔ اُس کا بدن سُن ہوا جا رہا تھا۔ وہ اپنے نوکر کو جگانے کے لئے گھنٹی کی طرف بڑھا لیکن پھر اُس کے دل میں ایک خیال آیا اور وہ رُک گیا۔

"وہ آدمی سمجھ جائیگا کہ میں ڈر رہا ہوں"۔

اور اس نے گھنٹی نہ بجا کر خود ہی آگ سلگالی۔ ہر ایک چیز کو اُٹھاتے وقت اُس کا بدن بُری طرح کانپتا تھا اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُس کے دماغ میں طوفان اُٹھ رہے تھے۔ خوفناک خیالات دل میں آنے کی وجہ سے اُس کی جان سوکھ رہی تھی۔ اس کے ہوش وحواس اس طرح معطل ہو رہے تھے گویا اُس نے بہت زیادہ شراب پی ہو اور وہ لگاتار اپنے سے پوچھ رہا تھا "میں کیا کرنے جا رہا ہوں؟ میرا کیا انجام ہوگا؟"

اُس کا سارا بدن رہ رہ کر تھر تھرا اُٹھتا تھا۔ وہ ایک دَم کھڑا ہوگیا اور جیوں ہی اُس نے پردا ہٹا کر دیکھا تو سویرا ہوچکا تھا۔ سارا شہر شفق کی سرخی میں ڈوبا ہوا تھا۔ نکلتے ہوئے سورج کی کرنیں تمام دُنیا کو از سرِنو زندگی بخش رہی تھیں۔ اُن کرنوں نے وسکاؤنٹ کے دل کو بھی طاقت اور تازگی سے بھر دیا۔ وہ سوچنے لگا میں بھی کیسا بیوقوف ہوں جو ڈر کے مارے پہلے ہی سے مَرا جا رہا ہوں۔ کون جانے میرا حریف مقابلہ کے لئے آئے گا بھی یا نہیں!

اُس نے ہاتھ مُنہ دھویا، کپڑے پہنے اور بیخوف ہو کر باہر نکل گیا۔

وہ چلتے وقت بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا "مجھے بیخوف رہنا چاہئے اور استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے۔ مجھے یہ دکھا دینا چاہئے کہ میں کسی سے نہیں ڈرتا ہوں"

اُس کے دوست مارکوئیس اور کرنل فوراً اُس کی مدد کے لئے تیار ہو گئے اور ڈویل کی شرطوں پر باتیں کرنے لگے۔

کرنل نے دریافت کیا "تم خوفناک ڈویل چاہتے ہو؟"

"بہت ہی خوفناک"! وسکاؤنٹ نے جواب دیا۔

تو تم پستول کی لڑائی پسند کرتے ہو" ؟

"ہاں"

دوسرے طرح کے انتظامات کے لئے کیا تم مجھے آزادی دیتے ہو۔؟"

وسکاؤنٹ نے روکھی آواز میں لیکن صاف طور پر کہا۔" فاصلہ بیس قدم گھنٹی بجتے ہی فائر کرنا۔ گولیاں تب تک چلتی رہیں جب تک کہ کوئی بُری طرح زخمی نہ ہو جائے۔"

"یہ تو بڑی اچھی شرطیں ہیں!" مطمئن ہو کر کرنل نے کہا" تمہارا نشانہ تو پکا ہے ہی! تمہارے کامیاب ہونے کی پوری اُمید ہے۔"

اور وہ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ وسکاؤنٹ گھر پہنچ کر اُن لوگوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا اشتعال اور اُس کی گھبراہٹ جو کچھ دیر کے لئے چلی گئی تھی پھر بڑھنے لگی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا کہ اُسکا بدن تھر تھرا رہا ہے اُس کے خون کا دوران تیز ہو گیا ہے۔ وہ کبھی بیٹھتا، کبھی کھڑا ہوتا اور کبھی کمرے میں گھومنے لگتا تھا۔ لیکن اُسے کسی طرح چین نہیں ملتا تھا۔ اُس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور اُس کی زبان تالو سے چپکتی جا رہی تھی۔

اُس نے ناشتہ منگایا لیکن وہ کچھ بھی نہ کھا سکا۔ اس پر اُس نے شراب پی کر قوت حاصل کرنا طے کیا اور نوکر کو حکم دیا۔ ایک ایک کر کے اُس نے چھ گلاس حلق کے نیچے اُتار دیئے۔ شراب کے اثر سے پہلے تو ایک دم سے اُس کا بدن جھنجھنا اُٹھا لیکن فوراً ہی اُس کے قویٰ پژمردہ ہونے لگے۔

"مجھے راستہ مل گیا ہے" اُس نے سوچا۔" اب سب ٹھیک ہو جائیگا۔

لیکن ایک گھنٹے کے اندر اُس نے پوری بوتل خالی کر دی۔ اس کے ساتھ ہی پریشانی اور بڑھ گئی اور وہ پوری طرح مشتعل ہونے لگا۔ کسی کو

کاٹ لینے یا زور زور سے چلانے کی اُس کی خواہش ہو رہی تھی۔ اسی طرح شام ہو گئی۔

اُس کی گھنٹی بجی۔ لیکن گھنٹی کی آواز سُن کر اُس کا دم اس طرح گھٹنے لگا کہ کھڑا رہنے یا اپنے دوستوں کا استقبال کرنے کی بھی اس میں طاقت نہیں رہی۔

زیادہ دیر تک اُن سے بات چیت کرنے کی بھی طاقت اُس میں نہ تھی۔ کیونکہ اُسے وہم ہو گیا تھا کہ اس کی کانپتی ہوئی آواز کو سن کر اُس کے دوست سب کچھ تاڑ جائیں گے۔

"تمہاری شرطوں کے مطابق ہی سب انتظام کر دیا گیا ہے" کرنل نے کہا" پہلے تو تمہارے حریف نے اپنے کو ذلیل و خوار سمجھ کر ایک ذلیل آدمی کو ملنے والی تمام آسانیاں طلب کیں لیکن وہ بہت جلد راہ راست پر آگیا۔ اور ہماری سب شرطیں منظور کر لیں۔ اُس کے طرفدار دو فوجی ہیں۔"

"شکریہ" وسکاؤنٹ نے صرف اتنا ہی کہا۔

مارکوئیس بولا" چونکہ ہمیں ابھی بہت سی باتوں کا انتظام کرنا ہے اس لئے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے۔ اُمید ہے آپ معاف کریں گے۔ ہمیں ایک اچھے اور ہوشیار ڈاکٹر کی موجودگی کا بھی انتظام کرنا ہے کیونکہ لڑائی کی شرط ہے کسی ایک کا بُری طرح زخمی ہونا! اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ گولیوں کے زخم کتنے گہرے ہوتے ہیں۔ لڑائی کے لئے ہم کو ایک ایسی جگہ تلاش کرنی ہے جس کے پاس کوئی گھر ہو جہاں زخمی ہونے پر گھائل کو لے جا سکیں۔ خلاصہ یہ کہ ابھی ہمارے لئے دو تین گھنٹے کا کام باقی ہے"

اس بار بھی وسکاؤنٹ کو بغیر کانپے 'شکریہ' ادا کرنے میں کامیابی ملی۔ کرنل نے پوچھا" تم ہو اچھے ہو نہ ؟ بالکل مطمئن اور خاطر جمع ؟"

"ہاں بالکل مطمئن! شکریہ" اُس نے کسی طرح کہا۔

وسکاؤنٹ کے دونوں دوست روانہ ہو گئے۔

× × × ×

جب وہ تنہا رہ گیا تو اُسے پھر ایک بار ایسا محسوس ہوا گویا وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس کا نوکر لیمپ روشن کر گیا تھا اور وہ میز پر بیٹھ کر کچھ چٹھیاں لکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"یہ میرا وصیت نامہ ہے" اُس نے ایک صفحہ پر لکھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ اُچھل کر الگ کھڑا ہو گیا اور کمرے میں گھومنے لگا۔ وہ کچھ بھی طے نہیں کر پاتا تھا۔

تو کیا اُسے لڑنا ہی پڑے گا! اس سے بچنا اب کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اُسے کیا ہو گیا ہے؟ وہ لڑنا چاہتا تھا۔ لڑنے کے لئے اُس نے پکا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کتنا ہی کوشش کرے، کتنی ہی ہمت کرے، لیکن لڑنا تو دُور رہا وہ اس جگہ تک نہ جا سکے گا۔ اُس نے لڑائی کا تصور کیا۔ لڑائی میں اپنے داؤں اور اپنے حریف کے رُخ کا بھی تصوّر اس نے کیا اور رنگ ڈھنگ تولا۔

لمحہ لمحہ بھر کے وقفہ سے اُس کے دانت بج اُٹھتے تھے۔ اُس نے ڈوئل کے قواعد نکالے اور اُسے پڑھنے کی کوشش کی۔ اس کے دماغ میں یہ سوال اٹھا۔ "کیا میرا حریف بھی پکا نشانے باز ہو گا۔ کس مرتبہ کا آدمی ہو گا وہ؟ میں کس طرح معلوم کر سکتا ہوں؟"

اُس بیرن بامس کی پستول کے نشانے بازوں پر لکھی ہوئی ایک کتاب کا خیال آیا اور وہ اُسے نکال کر یہاں وہاں سے پڑھنے لگا۔ جارجس لیمل کا نام کہیں اُسے نظر نہیں آیا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اُسے خیال آیا کہ اگر وہ شخص کہنہ مشق نشانے باز نہ ہوتا تو وہ پستول کی لڑائی اور میری سخت شرطوں کو کسی طرح منظور نہ کرتا!

جیسے ہی وہ ٹہلتے ہوئے ایک میز کے پاس سے گذرا اس نے بکس کھول کر ایک پستول نکال لیا اور ہاتھ اونچا کر کے اس طرح کھڑا ہو گیا گویا وہ اُسی وقت پستول چلا دیگا۔ لیکن وہ سر سے پیر تک کانپ اُٹھا اور پستول کی نلی چاروں طرف گھومنے لگی۔

تب وہ چلّا اٹھا۔ "یہ تو ناممکن ہے۔ اس طرح تو مَیں نہ لڑ سکوں گا"

اُس نے پستول کی چھوٹی سی نلی کا معائنہ کیا۔ اس نلی کا جو موت اُگلتی ہے! پھر اُسے اپنی بے عزتی کا خیال آیا۔ یہاں وہاں ہونیوالی چرچائیں۔ کلب گھروں میں ہونیوالی باتیں، جلسوں کی ہنسی، عورتوں کی نفرت، اخباروں کا مضحکہ اُڑانا اور بزدلوں تک کا اُسے چڑھانا۔ یہ سارے مناظر اُس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے۔

وہ پستول کی طرف دیکھ کر گھورتا ہی رہا۔ اچانک اسے معلوم ہوا کہ وہ بھرا ہوا ہے یہ دیکھ کر اُسے ایک طرح کی مسرّت محسوس ہوئی وہ سوچنے لگا۔ اگر مجمع کے سامنے وہ موقع پر دلجمعی کے ساتھ کھڑا نہ رہ سکا تو وہ ہمیشہ کے لئے بدنام ہو جائیگا۔ اُسے جگہ جگہ بدنام اور ذلیل کیا جائیگا۔ اور کلنگ کا یہ ٹیکہ کبھی نہ چھوٹے گا۔ اس طرح سوسائٹی میں اس کی کوئی وقعت نہ رہ جائیگی۔

چنانچہ پبلک اُسے جس شکل میں دیکھنا چاہتی ہے اُس میں اُسے ذرا بھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اُس نے اس صداقت کو اچھی طرح محسوس کیا۔ تاہم وہ بہادر تھا — کیونکہ وہ لڑنا چاہتا تھا۔ وہ بہادر تھا کیونکہ .... اس خیال کا اُس کے دماغ میں خاتمہ بھی نہ ہوا۔ اُس نے اپنا مُنہ کھولا اور پستول کی نلی ٹھیک مُنہ کے اندر کر کے گھوڑا دبا دیا۔

گولی کی آواز سُن کر جیسے ہی اُس کا نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ اُس نے اُسے فرش پر مَرا ہوا پڑا پایا۔ میز کے سفید کاغذ پر بھی خون کے کچھ چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ ایک بڑے سے چھینٹے نے ان چاروں لفظوں کو — "یہ میرا وصیت نامہ ہے"۔ ڈھک لیا تھا۔

وہ سپاہی

ہر اتوار کو جیسے ہی وہ چھٹی پاتے، دونوں سپاہی اُس طرف روانہ ہو جاتے۔

اپنی بیرکیں چھوڑ کر وہ سیدھی طرف مُڑتے اور پورے جوش کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے اس طرح چلتے گویا وہ قواعد کے لئے باہر نکلے ہوں۔ جیسے ہی وہ مکانوں کے آگے پہنچتے، وہ اپنی رفتار کچھ سُست کر دیتے اور بیجا س کی گرد بھری ہوئی سڑک کا راستہ پکڑ لیتے۔

وہ دونوں پستہ قد اور دبلے پتلے تھے۔ اپنے لمبے چوڑے کوٹ میں وہ چھپ سے جاتے تھے اور لمبی آستینوں میں اُن کے بازو ڈھک جاتے تھے۔ اُن کی لال برجیس اتنی لمبی چوڑی رہتی کہ جب کبھی اُنھیں تیز چلنے کا موقع آتا تو انھیں اپنی ٹانگوں کو لمبا پھینکنا پڑتا تھا۔ اُن کی سپاہیانہ وردی کے سر کا لبادہ بھی اتنا بھاری تھا کہ اُن کے چہرے ڈھک جاتے تھے وہ دونوں برٹان کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ اُن دونوں کا چہرہ لمبا اور گالوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں جن میں گڈھے بن جاتے تھے اُن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے زبان جانوروں کی طرح مجبوراً اور گناہوں سے پاک ہیں۔ اُن کی نیلی آنکھیں اُن کے نرم دِل اور اچھے چال چلن کی گواہ تھیں۔

جب تک وہ چلتے رہتے، کوئی بھی ایک دوسرے سے نہ بولتا۔ لیکن اُن دونوں کے دماغ میں سارے راستے بھر وہی خیال چکّر کاٹتا رہتا

جس پر مقررہ جگہ پر پہنچنے کے بعد غپ شپ شروع ہوتی۔ لیس چیمینس کے چھوٹے سے جنگل کے کنارے پر اُنھیں ایک ایسی جگہ مل گئی تھی جو آس پاس کے مناظر کے ساتھ ساتھ انھیں ان کے وطن کی بھی یاد دلا دیتی تھی۔ بس صرف اُسی مقام پر پہونچکر انھیں سکون قلب نصیب ہوتا تھا!

کولمبس اور شیٹو سے آنے والی سڑکوں کے چوراہے پر پہنچکر وہ لوگ اپنے سر کو چھپا رکھنے والے لبادوں کو اُتار دیتے تھے اور پیشانی کا پسینہ سُکھا لیتے تھے۔

وہ ہمیشہ بے جھانس کے پُل پر بھی کچھ دیر کے لئے ٹھہرتے اور پل کی ریلنگ پکڑ کر جھک جاتے اور دریائے سین کی خاموش روانی کو دیکھنے لگتے تھے۔ وہ وہاں اکثر دو تین منٹ کے لئے ٹھہرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ لوگ وہاں پر کھڑے ہوکر دور پر نظر آنے والے جہازوں کے مستولوں کو دیکھتے تھے کیونکہ وہ جہاز انھیں اپنے ملک کے سب سے نزدیک کی بندرگاہ وِنس کی طرف جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔

جیوں ہی وہ سین کا پل پار کرتے، وہ اپنے کھانے کے لئے کچھ چیزیں خرید لیتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں تھوڑا سا سور کا گوشت، دوپنس کی روٹی، یہی دو چیزیں ہوتی تھیں جنھیں وہ اپنے رومال میں باندھ لیتے تھے۔ شراب کی ایک چھوٹی سی بوتل بھی رہتی تھی۔

جیوں ہی وہ لوگ گاؤں کے باہر نکلتے۔ باتیں کرنا شروع کر دیتے تھے۔ ایک وسیع میدان سے ہوکر اُن کا راستہ گذرتا تھا جس میں کہیں کہیں درختوں کے چھوٹے بڑے جھنڈ تھے۔ یہی راستہ اُس جنگل کے کنارے پہنچتا جو دیکھنے میں انھیں کے وطن کے ایسا تھا۔ اس راستہ کے دونوں

طرف گیہوں کے ہرے بھرے لہلہاتے کھیت ہوتے جنھیں دیکھکر اُن میں سے ایک جسکا نام جین رہتا دوسرے سے کہتا۔

یہ منظر بالکل ہمارے وطن پلائی وان کی طرح کا ہے۔"

"ہاں، بالکل ویسا ہی ہے لیوس جواب دیتا۔"

وہ برابر قدم ملا کر چلتے اور اُس وقت اُن کی آنکھوں میں اُن کے وطن کا دھندلا سا عکس ہوتا۔ وہاں کی ہر ایک چیز کو دیکھکر اُس کا مقابلہ وہ اپنے وطن کی چیزوں سے کرنے لگتے تھے۔

ہر ایک اتوار کو جب وہ درختوں کے پہلے جھنڈ کے پاس پہونچتے تو لیوس اپنے بچپن کی کوئی ایسی بات چھیڑ دیتا کہ اُس کے بیان کرنے اور سُننے میں اُن کا بہت سا وقت صرف ہو جاتا تھا۔ اس طرح اپنے بچپن کی شیریں یاد اور پیارے وطن کے ذکر خیر میں اُن کا راستہ بڑی آسانی سے کٹ جاتا تھا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے ان کے پیارے وطن کے خوبصورت مناظر، دلفریب پھول، طرح طرح کے پودے اور لہلہاتے ہرے بھرے کھیت گھومنے لگتے تھے۔ اپنے وطن کے خوبصورت پھولوں کی مہک گویا یہاں بھی اُن کے دماغ کو معطر کر دیتی اور وہ لوگ اس وحشی خوشبو کو اس شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے کہ آس پاس کے کوڑے کرکٹ اور کھاد کے ڈھیروں سے بھی اُنھیں بدبو نہ آتی تھی۔

لیوس اور جین آہستہ آہستہ آگے بڑھتے جاتے۔ ان خیالات سے انھیں کچھ تسکین ضرور حاصل ہوتی تاہم ان پر ایک طرح کی مایوسی چھائی رہتی تھی۔ ایسی مایوسی جو پنجرے میں بند کسی جانور کے دل پر چھائی رہتی ہو۔

—اور جب تک کہ لیوُس کا اُس ٹہنی سے کھیلنا بند ہوتا، وہ لوگ جنگل کے کنارے اُس مقام پر پہنچ جاتے جہاں وہ ہر اتوار کو دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔

وہاں وہ لوگ اپنی اُن دو اینٹوں کو ڈھونڈ نکالتے تھے جنھیں وہ واپس جاتے وقت جھاڑیوں میں چھپا جایا کرتے تھے۔ وہ سوکھی ہوئی لکڑیاں جمع کر کے آگ سُلگاتے اور اپنی سنگین کی نوک پر رکھ کر سور کا گوشت پکاتے۔

جب وہ لوگ ڈٹ کر کھا پی چکتے تو وہیں آنکھیں بند کر کے گھاس پر چپ چاپ دراز ہو جاتے تھے۔

تقریباً دوپہر کو وہ لوگ رہ رہ کر بیجھانس کے گاؤں کی طرف دیکھنے لگتے کیونکہ وہی وقت تھا جب کہ اُدھر سے ایک لڑکی اپنی گائے کو لینے آتی۔

وہ اپنی گائے کو دوہنے کے لئے جاتے وقت اور گھیرے میں بند کرنے جاتے وقت اُن کے پاس سے ہو کر گزرتی۔ اُس کی گائے سامنے کے میدان میں چرتی رہتی تھی۔

دور ہی سے وہ اُس لڑکی کو پہچان لیتے تھے۔ اُس علاقہ میں ایک وہی آدم زاد تھی۔ دور سے ہی اُس کی دودھ کی بالٹی کو جب وہ لوگ سورج کی کرنوں سے جھلملاتے ہوئے دیکھتے تو اُنکے دل خوشی کے مارے ناچ اُٹھتے تھے۔ وہ اُس سے کبھی بات چیت نہ کرتے تھے تاہم نہ جانے کیوں وہ اُسے دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتے تھے۔

وہ لمبی اور بھرے ہوئے بدن کی مضبوط لڑکی تھی۔ اُس کے سنہرے بال دھوپ میں لال دکھائی دیتے تھے اور اُس کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا۔ کھلی آب و ہوا میں پلی ہوئی وہ ویسی ہی بے خوف اور نڈر معلوم ہوتی تھی۔

ایک بار اُن لوگوں کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھ کر وہ بولی "آج کا دن مبارک! تو کیا آپ لوگ ہمیشہ یہاں آیا کرتے ہیں، کیوں نہ؟"

لیوُس جو اُن دونوں میں زیادہ ہمت ور تھا بولا "ہاں ہم لوگ اپنی چھٹی کا دن گذارنے کے لئے یہاں آتے ہیں۔"

اُس دن فقط اتنی ہی بات چیت ہوئی۔ لیکن دوسرے اتوار کو جب اُس نے اُن لوگوں کو دیکھا تو ہنس پڑی اُس کی ہنسی اُس چالاک عورت کی سی تھی جو کسی کے شرمیلے پن کو تاڑ کر اُس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ہنستے۔ اُس نے پوچھا "تم کیا کر رہے ہو؟ کیا گھاس کا بڑھنا دیکھ رہے ہو؟"

لیوُس نے مسکرا کر بے پروائی کے انداز میں کہا "ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن گھاس تو اتنی جلدی نہیں بڑھتی کہ اُس کا بڑھنا بھی دیکھا جا سکے۔" اُس نے کہا۔

"اچھا ایسا ہے!" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ چلی گئی لیکن اس مرتبہ جبکہ وہ دودھ کی بالٹی لے کر لوٹی تب وہ اُن کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور بولی "کیا تھوڑا دودھ پیو گے؟ یہ تمھیں تمھارے گھر کی یاد دلائے گا۔"

بحیثیت ایک انسان اور انھیں کی طرح گھر سے دور ہونے کے باعث وہ اُن کے ساتھ اس طرح ہمدردی سے پیش آئی تھی۔

وہ دونوں بھی انکار نہ کر سکے۔

اُس نے بہ وقت تمام اُن کی شراب کی خالی بوتلوں میں اپنی بالٹی سے تھوڑا سا دودھ انڈیلا۔ پہلے لیوُس نے پیا۔ وہ دودھ کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا اور ہر ایک گھونٹ کے بعد بوتل کو دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں وہ جین کا حصّہ بھی نہ پی جائے۔ پھر اُس نے جین کو بوتل پکڑا دی۔ وہ سامنے کھڑی تھی اور اُس کے ہاتھ کمر پر تھے اور دودھ کی بالٹی

پیروں کے پاس تھی اپنے اخلاق سے وہ انھیں کچھ آرام دے سکی۔ اس سے وہ بہت خوش تھی۔

"اچھا۔ آنے والے اتوار تک کے لئے رخصت"۔ وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

جب تک وہ نظر آتی رہی، وہ دونوں اُسے دیکھتے رہے۔

آئندہ اتوار کو بیرک سے نکلتے ہوئے جین نے لیوس سے کہا "ہمیں اُس لڑکی کے لئے کوئی چیز خرید کرلے چلنا چاہئے۔ کیا یہ خیال اچھا نہیں ہے؟"

—اور اُس لڑکی کے لئے کوئی خوبصورت سی چیز منتخب کرنا اُن لوگوں کے نزدیک ایک مسئلہ بن گیا۔

لیوس نے کسی نمکین چیز کا نام لیا۔ لیکن جین جو میٹھی چیز۔ دل کا شوقین تھا مٹھائی لے جانے پر اصرار کر رہا تھا۔ بالآخر ایک دکاندار کے یہاں سے انھوں نے ایک پنس کی پپرمنٹ کی لال لال گولیاں خریدیں۔

اس بار انھوں نے اپنا کھانا پینا وقت سے پہلے ہی ختم کر لیا۔ اور بڑی بیچینی کے ساتھ اُس کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

جین نے اُسے پہلے دیکھا اور جلدی سے کہا "وہ آرہی ہے"۔

"ہاں وہی تو ہے"۔ لیوس نے کہا۔

انھیں دیکھ کر وہ بھی دُور ہی سے ہنسنے لگی اور چلّا کر پوچھا "کیسے کیسے ہیں"۔

اور اسی انداز سے اُن لوگوں نے بھی پوچھا "آپ کیسی ہیں"؟

تب وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ سیدھی سادھی اور بھولی باتیں جن میں کہ اُن دونوں کو بڑا لطف آرہا تھا۔ کبھی وہ موسم کی چرچا کرتی، کبھی دھان کی تو کبھی اپنے کاروبار کی۔

ان لوگوں کو اپنا تحفہ دینے میں لحاظ معلوم ہوتا تھا۔ وہ گولیاں جین کی جیب میں گھلی جارہی تھیں۔

آخرکار لیوس نے ہمّت کرکے کہا "ہم لوگ تمھارے لئے کچھ تحفہ لائے ہیں"۔

"وہ کیا؟" اُس نے پوچھا۔

اس پر جین نے کھڑکھڑاتا ہوا وہ کاغذ اپنی جیب سے نکال کر گولیوں سمیت اُس کے حوالے کر دیا۔

وہ بڑی مستی اور بھولے پن کے ساتھ انھیں مُنہ میں رکھ کر اِدھر اُدھر کرکے چوُسنے لگی۔ دونوں سپاہی سامنے بیٹھے ہوئے اُس کی سادگی اور الھڑپن پر محو اُسے دیکھ رہے تھے۔

اس کے بعد وہ اپنی گائے دوہنے کے لئے روانہ ہوگئی اور لوٹتے وقت انھیں پھر دودھ دیتی گئی۔

ہفتہ بھر اُن کے دل و دماغ پر وہی چھائی رہی۔ وہ لوگ بار بار اُسی کا ذکر کرتے تھے۔ اگلے اتوار کو وہ زیادہ دیر تک اُن کے پاس بیٹھی۔ تینوں ایک حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور بڑے مزے سے اپنے گاؤں کی کہانیاں کہنے لگے۔ بچپن کی کتنی ہی مزیدار باتیں اُن لوگوں نے ایک دوسرے کو سُنائیں اگرچہ دونوں سپاہی نوجوان تھے اور وہ بھی جوانی کی چوکھٹ پر قدم رکھ چکی تھی لیکن اُس وقت باتیں کرتے کرتے وہ تینوں بچے بنے جارہے تھے۔ وہی سادگی وہی بھولاپن اور باتوں میں وہی تازگی! گائے نے جب دیکھا کہ اُس کے لے جانے کا وقت نکل گیا اور پھر بھی کوئی نہ آیا تو وہ زور سے چلّائی گویا اُس نے اپنے مالکن کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

آج تو لڑکی نے اُن کے ساتھ کھانے پینے کی استدعا بھی فوراً قبول کرلی۔ اب وہ برابر اُن کے لئے اپنی جیب میں بیر بھر بھر کر لاتی کیونکہ اُس کی فصل آگئی تھی۔ اُس کی موجودگی اُن دونوں سپاہیوں میں نئی روح پھونک دیتی تھی اور اُسکے آتے ہی وہ دونوں چڑیوں کی طرح چہکنے لگتے تھے۔

ایک دن لیوُس نے چھٹی مانگی - ابتک اُس نے اس طرح کی چھٹی کبھی نہ لی تھی - رات کے دس بجے تک وہ لوٹ کر بیرک میں نہیں آیا -

— اور آئندہ اتوار کو جب وہ جین کے ساتھ ہمیشہ کی طرح اُس جنگل کی طرف روانہ ہوا تو اُس کی بات چیت، شکل صورت اور اُس کے سلوک سے ایک طرح کا اجنبی پن معلوم ہوتا تھا - وہ بہت ہی مشتعل معلوم ہوتا تھا - جین اس بات کو ٹھیک سمجھ نہیں سکا تھا لیکن اتنا وہ ضرور تاڑ گیا تھا کہ دل میں کچھ کالا ہے - لیکن اصل بات کیا ہے؟ یہی بھید تھا -

جب تک وہ لوگ اپنی جگہ پر پہونچے - ایک دوسرے سے ایک لفظ بھی نہ بولے - آج اُن کے کھانے پینے میں بھی وہ لطف نہیں آیا - شاید اُن میں سے کسی کو کچھ کھانے پینے کی خواہش بھی نہ تھی -

کچھ ہی دیر بعد لڑکی آتی ہوئی نظر آئی - ہمیشہ کی طرح وہ لوگ ٹکٹکی باندھے اُس کو دیکھتے رہے - جب وہ قریب آگئی تو لیوُس اُٹھا اور اس کی طرف چلا - اُس نے اپنی بالٹی وہیں رکھ دی اور اُس کو چوم لیا - اپنے دونوں بازو اُس کے گلے میں حمائل کئے ہوئے وہ دیوانہ وار اُسے چوم رہی تھی - جین کا اُسے ذرا بھی خیال نہ تھا شاید اُس کی موجودگی تک کا اُسے دھیان نہ تھا - وہ دونوں اس طرح کا برتاؤ کر رہے تھے گویا وہاں تیسرا کوئی تھا ہی نہیں -

— اور غریب جین اُس کے اس برتاؤ کو ذرا سا بھی نہ سمجھ کر — ہاں رتی بھر بھی نہ سمجھ کر، محوِ حیرت بیٹھا تھا - اُس کا دماغ جیسے چکر کھا رہا تھا - اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا -

وہ دونوں ایک طرف پاس ہی پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے -

جین نے اُن کی طرف دیکھا بھی نہیں - اب اُس کی سمجھ میں آگیا کہ ہفتہ میں دو بار چھٹی لے کر اس کا ساتھی کہاں گیا تھا - اُس کے دل کو سخت

چوٹ پہنچی اور وہ ایک کاری زخم کا احساس شدت کے ساتھ کرنے لگا - ہزاروں بچھوؤں کے ڈنک کی طرح اپنے ساتھی کا دغا کرنا اُسے تکلیف دینے لگا -

وہ لڑکی اور لیوُس دونوں گائے لانے کے لئے وہاں سے چل پڑے - جین اُن کی طرف دیکھتا ہی رہا - وہ انھیں ایک ساتھ چلتے ہوئے دیکھ رہا تھا - اُس کے ساتھی کی لال برجس دھوپ میں چمک رہی تھی - لیوُس نے ہی گائے کو موڑا اور اُسے لے جا کر خود ہی باندھا بھی -

لڑکی اُسے دوہنے کے لئے بیٹھی اور لیوُس کھڑا اُس کی گردن سہلاتا رہا - تب اُن لوگوں نے بالٹی کو وہیں ڈھک کر رکھ دیا اور جنگل کے اندر ہو لئے -

جین کو وہاں محض گھاس ہی ہلتی ہوئی نظر آتی تھی - وہ لمحہ بہ لمحہ سخت تکلیف کا احساس کر رہا تھا - اتنی سخت تکلیف کہ اگر وہ کھڑا ہوتا تو شاید چکر کھا کر وہیں چت گر پڑتا -

وہ چپ چاپ وہیں بیٹھا رہا - تکلیف اور حیرت سے حواس باختہ! کبھی وہ زور زور سے رونا چاہتا تھا تو کبھی بھاگ کر جنگل میں چھپ جانا چاہتا تھا تاکہ آئندہ وہ کبھی کسی کا منہ نہ دیکھے -

پھر دفعتاً اُس نے ان لوگوں کو جنگل سے باہر نکلتے دیکھا - وہ ہاتھ میں ہاتھ لئے ہوئے آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہے تھے جیسا کہ نوشادی شدہ جوڑے اکثر کیا کرتے ہیں - لیوُس نے دودھ کی بالٹی اُٹھالی -

جُدا ہونے سے پہلے اُنھوں نے پھر ایک دوسرے کو بوسہ دیا - اور بڑے انداز کے ساتھ رس بھرے لہجہ میں الوداع کہہ کر لڑکی رخصت ہوئی جاتے جاتے وہ جین کی طرف ایک خاص انداز سے دیکھتی گئی - اُس دن

جین کو دودھ دینے کا خیال بھی اُسے نہ آیا۔

ہمیشہ کی طرح دونوں سپاہی پھر پاس ہی پاس بیٹھے تھے۔ چپ چاپ۔ دونوں کے چہروں سے اُن کے دل کی اندرونی کیفیت صاف طور پر نمایاں تھی۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنیں اُن پر پڑ رہی تھیں۔ گائے کے بولنے کی آواز آئی اور انھوں نے دیکھا کہ وہ لڑکی بھی دُور ہی سے اُن کی طرف دیکھ رہی ہے۔ ہمیشہ کی طرح مقررہ وقت پر وہ دونوں واپسی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

لیوس ہمیشہ کی طرح ٹہنیوں سے کھیلتا جاتا تھا اور جین کے ہاتھ میں شراب کی خالی بوتل تھی جسے اُس نے 'بے جھانس' کی شراب کی دُکان پر لوٹا دیا۔

جب وہ لوگ پل پر پہنچے تو وہاں بھی ہمیشہ کی طرح بیچ میں پانی کو دیکھنے کے لئے کچھ دیر کو ٹھہر گئے۔

لوہے کی ریلنگ پر جین جُھکتا ہی چلا جاتا تھا۔ گویا پانی کے اندر کی کوئی چیز اُسے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔

"کیا پانی پینا چاہتے ہو؟" لیوس نے پوچھا۔

جیسے ہی اُس نے آخری لفظ کہا ہوگا، کہ اُس نے جین کو اُچھلتے ہوئے دیکھا اور وہ پستہ قد سپاہی پتھر کی طرح پانی میں جا گرا۔ وہ گرا اور غائب ہو گیا۔

لیوس کے گلے میں جیسے پتھر اٹک گیا ہو۔ وہ چلّانا چاہتا تھا مگر منہ سے آواز نہ نکلتی تھی اُس نے چلّانے کی کوشش بھی کی لیکن فضول! کچھ دُور پر پانی میں کوئی چیز ہلتی ہوئی اُسے نظر آ رہی تھی۔ پھر اُس نے اپنے ساتھی کا سر پانی کی سطح پر دیکھا جو لمحہ بھر بعد ہی پھر غائب ہو گیا۔

کچھ آگے اُسے پھر ایک ہاتھ اوپر اٹھتا ہوا نظر آیا اور وہ بھی اُسی

طرح لمحہ بھر کے اندر ہی غائب ہو گیا۔ بس اتنا ہی۔

ناؤ والے جو دوڑ کر جائے حادثہ پر آ گئے تھے۔ انھیں اُس دن لاش نہیں ملی۔

پاگلوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا اور دوڑتا ہوا لیوس بیرک میں لوٹا۔ کانپتی ہوئی آواز سے اور آنسو بھری ہوئی آنکھوں سے اُس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اُس کے نتھنے پھول رہے تھے۔

"وہ ریلنگ پر جُھکا...... وہ جُھکا...... جُھکا...... جُھکتا گیا...... اور...... اتنا جُھک گیا کہ...... اس کا سر نیچے...... اور...... پاؤں...... اوپر...... ہو گئے...... وہ پانی میں ڈوب... گیا۔"

وہ زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اُس کا گلا بھر آیا اور آواز رُکنے لگی۔

"آہ اگر وہ جانتا۔"

رسّی کا ٹکڑا

گاڈربیلے کی طرف جانے والی تمام سڑکوں پر کسان مرد، عورتیں جاتے ہوئے نظر آتے تھے، کیونکہ وہ بازار کا دن تھا۔ کسان مردِستانہ وار چل رہے تھے۔ اپنی لمبی اور ترچھی ٹانگوں کو جب وہ آگے کی طرف پھینکتے تو اُن کا سارا جسم آگے کی طرف جُھک کر گرتا ہوا سا معلوم ہوتا تھا سخت محنت کی وجہ سے اُن کے بدن کا ڈھانچہ بگڑ گیا تھا۔ جب وہ لوگ ہل چلاتے تب اُن کے جھٹکوں سے داہنا کندھا زور سے اوپر کو چڑھ جاتا اور کمر میں مروڑ آجاتا۔ دھان کاٹتے وقت کمر اور گھٹنے جُھک جاتے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھے ہو جاتے تھے چنانچہ اسی طرح کی سخت محنت کی وجہ سے غریب دیہاتی کسانوں کے بدن کا ڈھانچہ ٹیڑھا میڑھا اور متزلزل سا ہو گیا تھا۔ اُن کے نیلے کُرتے کلف کی وجہ سے اس طرح چمک رہے تھے گویا کسی نے وارنش سے رنگ دیا ہو۔ اُن کے گلے اور کندھوں پہ سادے تاگے کی کڑھائی تھی۔

کچھ کسان گائے اور بیلوں کی رسّیاں پکڑے ہوئے چل رہے تھے اُن کی عورتیں پیچھے سے ہانکتی جاتی تھیں۔ زیادہ عورتیں سر پر ٹوکریاں رکھے ہوئے تھیں جن میں بطخیں، مرغیاں اِدھر اُدھر سر نکالے ہوئے نظر آتی تھیں۔ اپنے شوہروں کی بہ نسبت وہ چھوٹے چھوٹے لیکن تیز قدم رکھ رہی تھیں۔ وہ عموماً دُبلی پتلی لیکن سیدھے بدن والی تھیں۔ انھوں نے اپنی چپٹی چھاتیوں پر چھوٹے چھوٹے شال لپیٹ رکھے تھے۔ اُن کے سر پہ ایک سفید کپڑا پڑا ہوا تھا اور

اُس پر اُنھوں نے ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔

اُسی وقت ایک عمدہ سی گاڑی اس سڑک سے گذری جسے ایک خچر کھینچ رہا تھا۔ چلتے وقت اُس گاڑی میں اتنے زور کے دھکے لگ رہے تھے کہ اُن سے بچنے کے لئے اس میں بیٹھے ہوئے دو آدمی اور ایک عورت اُس گاڑی میں لگے ہوئے ڈنڈوں کو کس کر پکڑ لیتے تھے۔

گاڈربیلے کے چوک میں آدمیوں اور جانوروں کی بھیڑ جمع تھی جانوروں کے سینگ، امیر کسانوں کے اونچے اونچے ٹوپ اور عورتوں کے سر کی ٹوپیاں ہی اس جمّ غفیر میں اوپر نظر آتی تھیں۔ شور غُل بھی کافی تھا۔ کہیں بھاؤ تاؤ کرتے ہوئے کسانوں کا چیخنا تھا تو کہیں بچّوں کا رونا۔ اگر ایک طرف بچھڑے اور گائیں چلّا رہی تھیں تو دوسری طرف مرغ اور مرغیاں شور مچا رہی تھیں۔ اس جمگھٹ میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو یا تو کسان تھے یا گوالے اور اُن کی ضرورت کی چیزوں کا ہی وہ بازار تھا۔ گھاس، دانہ، گھی، دودھ، مٹھائی اور جانوروں کو فروخت کرنے والے لوگ وہاں تھے اور ان چیزوں کی تیز بُو وہاں آرہی تھی۔

بریئٹے کے ماسٹر ہاچکارن ابھی ابھی گاڈربیلے پہونچے تھے اور چوک کی طرف جا ہی رہے تھے کہ اُنھوں نے ایک رسّی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا۔ دوسرے نارمنوں کی طرح ماسٹر ہاچکارن بھی کفایت شعار تھے انھوں نے سوچا کہ کوئی بھی چیز جو کام آسکتی ہے، ضرور ہی اُٹھا لینی چاہئے۔ بوڑھے تو تھے ہی، بمشکل تمام وہ نیچے جُھکے۔ وجہ یہ تھی کہ انھیں گٹھیا کی بیماری تھی۔ انھوں نے رسّی کا ٹکڑا اُٹھا لیا اور جیوں ہی آسے لپیٹنا شروع کیا، انھوں نے دیکھا کہ موچی میلنڈین اپنے دروازے پر کھڑا اُن کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ان دونوں میں

بہت دن ہوئے، گھوڑے کے لئے کسی سامان کا سودا کرتے ہوئے جھگڑا ہو گیا تھا۔ چونکہ دونوں ہی ہمیشہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے تھے اس لئے ابتک اُن میں میل نہ ہو سکا تھا۔ ان کے دشمن نے اُنھیں ایک رسّی کا ٹکڑا کیچڑ میں سے اُٹھاتے دیکھ لیا، یہ معلوم کر کے وہ مارے شرم کے زمین میں گڑ گئے۔ انھوں نے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو پہلے کُرتے کی جیب اور پھر پتلون کی جیب میں چھپانے کی کوشش کی اس کے بعد وہ زمین پر کچھ ڈھونڈھنے کا بہانا کرنے لگے گویا اُن کی کوئی چیز گر پڑی ہے۔ اِسی طرح اِدھر اُدھر دیکھ کر اور دو تین بار زمین پر جُھک کر وہ بازار کی طرف چلے گئے۔

آگے چل کر وہ اُسی بھیڑ میں جو پوری طرح مول بھاؤ میں مشغول تھی غائب ہو گئے۔ کسان گایوں کو دیکھ کر دُور چلے جاتے اور پھر لَوٹ آتے۔ ایک دم سے بھاؤ کر کے گایوں کو خریدنے کی ہمت ان میں نہ تھی اور وہ بڑی ہوشیاری سے فروخت کرنے والوں کے چہرے کا مطالعہ کرنے لگتے تھے۔

عورتیں ٹوکریوں کو اپنے پیروں کے پاس رکھ کر مرغیوں اور بطخوں کو باہر رکھے ہوئے تھیں اور جانوروں کی ٹانگیں بندھی ہوئی تھیں اور وہ گھبرائے ہوئے سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ مول بھاؤ کے وقت پہلے تو وہ اپنی ہی بتائی ہوئی قیمت پر اڑ جاتیں لیکن جب خریدار آگے بڑھنے لگتا تو یکایک اُس کی مقرّر کی ہوئی قیمت پر دینے کو تیار ہو جاتیں اور ایک دم سے چلاّ پڑتیں "لے جائیے صاحب! اتنے ہی داموں میں لے جائیے"۔

رفتہ رفتہ چوک خالی ہو گیا۔ دوپہر ہو چکا تھا۔ جو لوگ دور دراز کے گاؤں سے آئے ہوئے تھے انھوں نے سرائے میں قیام کیا۔

جارڈن کے ہوٹل کا کمرہ کھانے والوں سے کھچاکھچ بھرا ہوا تھا۔ ہوٹل کے لمبے چوڑے احاطہ میں طرح طرح کی گاڑیاں تھیں۔ بیل گاڑیاں ٹم ٹم، بیر گاڑی اور بگھیاں وغیرہ سبھی طرح کی گاڑیاں موجود تھیں۔ وہ سب گرد سے اٹ رہی تھیں۔ ان میں کچھ نئی تھیں، کچھ پُرانی اور کچھ توبے کام ہو چکی تھیں۔

کھانا کھانے والوں کی میز کے سامنے ایک بڑی سی انگیٹھی تھی جو داہنی طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کو گرمی پہونچا رہی تھی۔ کھانے میں خاص کر تین ہی چیزیں تھیں، مرغی کا گوشت، کبوتر کا گوشت اور سُور کا بُھنا ہوا گوشت۔ یہ چیزیں اس عمدہ طریقہ پر تیار کی گئی تھیں کہ انھیں دیکھ کر کھانے والوں کے مُنہ میں پانی آ رہا تھا۔ آس پاس کے سارے زمیندار اس ہوٹل میں ماسٹر جارڈن کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ اس ہوٹل کا مالک جارڈن گھوڑوں کا تاجر اور ایک چالاک آدمی تھا جس کو محض روپیہ پیدا کرنے سے کام تھا۔

کھانا پروسنے والے آتے اور اپنے برتن خالی کر کے چلے جاتے تھے۔ یہی حال سیب کی شراب والے کا بھی تھا۔ ہر ایک آدمی اپنی اپنی خرید فروخت کی باتیں کر رہا تھا۔ کئی آدمی فصل کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔

یکایک انھیں مکان کے احاطہ میں ڈھول کی آواز سُنائی دی۔ چند ایک کو چھوڑ کر باقی لوگ کھاتے کھاتے ہی سُننے کے لئے دوڑ پڑے۔ جب ڈھول کا بجانا بند ہو گیا تو وہ بولا "گاڈر ہلے کے لوگوں اور عام پبلک کو یہ مطلع کیا جاتا ہے کہ بنج وِتے کے راستے پر سویرے نو اور دس بجے کے درمیان ایک بٹوہ جس میں پانچ سو فرانک اور کچھ ضروری کاغذات تھے، کھو گیا ہے جس کسی کو ملا ہو وہ فوراً ہی جا کر یا تو اُسے

ٹاؤن ہال میں واپس کردے یا مینی پتے کے ماسٹر ہالے بریک، کو واپس کردے۔ اُسے بیس فرانک انعام دیا جائیگا۔"

—منادی کرنے والا آگے بڑھ گیا۔ دور سے ایک بار اُس کے ڈھول بجانے اور اوپر کے الفاظ دُہرانے کی آواز پھر سُنائی دی۔"

اب سب لوگ اسی بات کی چرچا کرنے لگے۔ کوئی کہتا بٹوہ مِل جائیگا اور کوئی کہتا نہ ملے گا۔ کھانا پینا بھی چل رہا تھا۔ جب وہ لوگ کافی پی رہے تھے۔ اُسی وقت پولیس افسر بھی وہاں آدھمکا۔

"بریئیٹے کے ماسٹر ہاچکارن کہاں ہیں" اُس نے دریافت کیا۔

میز کے دوسرے سرے پر بیٹھے ہوئے ماسٹر ہاچکارن نے جواب دیا "میں ہوں۔"

افسر آگے بڑھا اور بولا "کیا آپ براہ مہربانی میرے ساتھ اسی وقت ٹاؤن ہال چلیں گے؟ میئر آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

بیچارے دیہاتی نے گھبرا کر ایک ہی دفعہ میں شراب کا چھوٹا سا گلاس خالی کر دیا اور گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اس مرتبہ اُٹھتے وقت وہ سویرے سے بھی زیادہ جُھک گیا۔ خوف و ہراس کے مارے بیچارے کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا روانہ ہوا "میں یہیں ہوں، میں یہیں ہوں" اور پولیس افسر کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

ٹاؤن ہال میں بیٹھا ہوا میئر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ پاس ہی علاقہ کا رہنے والا ایک زمیندار تھا، وہ لمبا، چوڑا اور بہت ہی سنجیدہ صورت تھا۔

"ماسٹر ہاچکارن" اُس نے کہنا شروع کیا "آج سویرے بینجِ وِلے کی سڑک پر تمھیں ماسٹر ہالے بریک کا کھویا ہوا بٹوہ اُٹھاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔"

میئر کے اس جملہ نے غریب ہاچکارن کے قلب کی حرکت ہی بند کر دی۔ وہ بھونچکا سا اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"کیا! کیا کہا آپ نے؟ میں نے بٹوہ اُٹھایا؟"

"ہاں، ہاں، تمھیں نے اُٹھایا۔"

"میں ایمان سے کہتا ہوں کہ میں نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔"

"لیکن تمھیں اُٹھاتے دیکھا گیا ہے۔"

"اُٹھاتے دیکھا! کس نے؟"

"موچی میلنڈین نے۔"

—تب بوڑھے کو یاد آیا۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اور غصّہ سے لال ہو کر بولا۔ "اُس نے مجھے اُٹھاتے دیکھا! بیوقوف کہیں کا! بے شک اُس نے مجھے رسی کا ٹکڑا اُٹھاتے دیکھا تھا۔ دیکھئے صاحب یہ رسّی کا ٹکڑا" اور اُس نے جیب ٹٹول کر رسّی کا ایک ٹکڑا نکالا۔

لیکن میئر نے عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے سر ہلایا۔

"ماسٹر ہاچکارن، تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے! وہ شخص جو قابل اعتماد ہے، اس رسّی کے ٹکڑے کو لے کر بٹوہ اُٹھانے کی بات نہیں کہہ سکتا!

ماسٹر ہاچکارن کا چہرہ تمتما گیا۔ اُس نے اپنے آپ کو بے گنا ثابت کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھا کر زور سے کہا "پھر بھی خداوند کریم کو حاضر و ناظر جان کر میں کہتا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی بات سچ ہے۔ موسیٹو میئر! یہی سچ ہے۔ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھے کبھی نجات نہ ملے۔"

میئر کہنے لگا "بٹوہ اُٹھانے کے بعد بھی تم بڑی دیر تک وہاں کیچڑ میں اِدھر اُدھر ڈھونڈھتے رہے کہ کہیں کچھ پیسہ رہ نہ گیا ہو۔

غصہ اور خوف سے سہم کر بڈھا بولا "کسی بھلے آدمی کو بدنام کرنے کے لئے کوئی خواہ کچھ کہے، چاہے کوئی جھوٹ ہی بکتا رہے۔ ہاں جھوٹ ہی......!"

لیکن اُس کی ان باتوں کا میئر کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میلنڈین سے اُس کا سامنا کرایا گیا اور اس کے مقابل بھی اُس نے وہی بات دُہرائی جو اُس نے میئر کے سامنے کہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک دونوں بک جھک کرتے رہے۔ ہاچکارن کے کہنے پر اُس کی تلاشی لی گئی لیکن کوئی چیز ایسی برآمد نہیں ہوئی جس پر شک کیا جائے۔ چنانچہ میئر بڑے شش و پنج میں پڑ گیا۔ آخرکار اُس نے یہ کہہ کر اُس کو رخصت کیا کہ وہ کونسل کے آخری فیصلہ کا انتظار کرے۔

یہ خبر سارے شہر میں پھیل چکی تھی۔ ٹاؤن ہال سے جیوں بڈھا باہر نکلا، بھیڑ نے اُسے گھیر لیا اور لوگ اُس سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ کتنے ہی لوگ اُس سے سنجیدگی کے ساتھ سوال کر رہے تھے لیکن کچھ لوگ مذاق میں پوچھ رہے تھے۔ تاہم اُس سے نفرت یا حسد کسی کو نہ تھا۔

بوڑھے نے رسّی کا واقعہ سب کو سُنایا لیکن کسی نے اُس پر اعتبار نہیں کیا۔ ہر شخص اس واقعہ کو سُن کر ہنس دیتا تھا۔

جیوں جیوں وہ آگے بڑھتا، لوگ اُسے روک کر اس کا واقعہ سُنتے۔ جان پہچان والے لوگوں کو وہ خود راستہ میں روک کر سارا واقعہ سُناتا اور پھر اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے جیبوں کو اُلٹ پلٹ کر جھاڑ دیتا۔

"چل با تُو نی بڈھے!" وہ لوگ کہتے۔

اور وہ غصہ کے مارے لال ہو جاتا۔ اُس کا دَم پھولنے لگتا۔ دل پر ایک چوٹ لگتی تھی کہ اس کو جاننے والے لوگ بھی اُسکی بات کا

یقین نہیں کرتے۔ اس صداقت کو سب کے سامنے رکھنے کے لئے اُس کو کیا کرنا چاہئے، اُس کی سمجھ میں کوئی بات ٹھیک سے آ نہیں رہی تھی۔ صرف اپنا واقعہ وہ سب کو سناتا جا رہا تھا۔

شام ہو گئی اور اُس کے گھر پہونچنے کا وقت ہو گیا۔ اپنے تین پڑوسیوں کے ساتھ وہ گھر روانہ ہوا۔ اُن کو بھی اُس نے وہ جگہ دکھائی جہاں سے اُس نے رسّی کا وہ ٹکڑا اُٹھایا تھا اور اس کے بعد سارا واقعہ سُنایا۔

گاؤں میں پہونچ کر بَریٹے کے سارے باشندوں کو اُس نے یہ کہانی سنائی لیکن کوئی اُس کے بے گناہ ہونے پر اعتبار نہیں کر رہا تھا۔ رات بھر وہ بیچین رہا۔

دوسرے دن دوپہر کے تقریباً ایک بجے میریس پامیل نامی ایک کسان جو میٖن بلّے کے ایک فرم میں نوکر تھا، وہ بٹوہ لے کر آیا اور یہ کہہ کر ہالے بریک کو لوٹا دیا کہ اُس نے اُس کو ایک دن پیشتر سڑک پر پڑا ہوا پایا تھا۔ چونکہ وہ پڑھنا نہیں جانتا تھا اس لئے اُس نے اُسے لے جا کر اپنے مالک کو دکھایا۔ جس نے ہالے بریک کا نام اور ٹھکانا بتایا۔

کچھ ہی دیر میں یہ خبر دُور دُور تک پھیل گئی۔ کسی نے جا کر ہاچکارن کو بھی یہ خبر دی۔ جس کو سُنتے ہی وہ پھر چل پڑا اور گھوم گھوم کر کامیاب بہادر کی طرح چمکتی ہوئی آنکھوں سے سب کو قصہ سُنانے لگا۔

"تم جانتے ہو کہ مجھے اس الزام کا اتنا افسوس نہیں تھا جتنا کہ میلنڈین کی دروغ گوئی کا۔ جھوٹے الزام سے زیادہ تکلیف دہ اور کون بات ہو سکتی ہے!"

دن بھر وہ اپنی صفائی کے گیت گاتا رہا۔ راہ چلنے والوں کو روک روک کر وہ اپنا قصہ سناتا۔ ہوٹل یا شراب خانوں میں پہونچ کر کھانے پینے والوں کو سننے پر مجبور کرتا۔ اگلے اتوار کو گرجا گھر سے باہر نکلنے پر بھی وہ یہی قصہ سنانے لگا۔ اب وہ مطمئن سا نظر آنے لگا لیکن اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کی ہوس اس میں ابھی باقی ہی تھی۔ اُس کی باتوں سے لوگ خوب لطف اُٹھاتے تھے۔ اُس کی باتیں اُن کی دلچسپی کا سامان بن گئی تھیں۔ وہ اُسے چھیڑتے اور اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ اب بھی اس پر شک کرتے ہیں۔

اگلے پیر کو وہ پھر گاڈربلے کے بازار میں گیا۔ اپنا قصہ سنانے کی آرزو ہی اُسے گھسیٹ کر اس بار وہاں لے گئی تھی۔

اپنے دروازہ پر کھڑا ہوا میلنڈین اُسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

وہ کیوں ہنس رہا تھا؟

کریکے ٹوٹ کے ایک کسان کو مخاطب کرکے وہ اپنا قصہ سنا رہا تھا۔ وہ کسان آگے سننا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اُس کے پیٹ میں ایک گھونسہ مار کر اُس نے کہا: "دور ہو مکار!"

بڑھا ہاچکارن حیران رہ گیا اور ایک طرح کی بےچینی محسوس کرنے لگا۔ اُس کو مکار کیسے کہا گیا؟"

جارڈن کے ہوٹل میں جب وہ جاکر بیٹھا تو پھر اپنی کہانی سنانے لگا ایک مسخرے نے اُسے پکارا "ادھر آؤ بڈھے کھوسٹ، ادھر آ۔ میں تیری رسّی کا حال جانتا ہوں، ادھر آ!"

ہاچکارن نے رُک رُک کر کہا "لیکن وہ ۔ وہ بٹوہ تو مل گیا۔"

"بابا، ذرا سوچ سمجھ کر کہو۔ ایک پاتا ہے اور دوسرے کے ذریعہ لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تو یہی قصہ ہوتا ہے۔ اگرچہ میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا لیکن میرا تو تم پر ہی شک ہے۔" ایک دوسرے شخص نے کہا۔

اس طرح بڈھے کو پھر چوٹ پہونچی۔ بالآخر وہ سمجھ گیا کہ لوگ ابھی تک شک کرتے ہیں کہ بٹوہ مجھ کو ہی ملا تھا لیکن میں نے دوسرے کی معرفت اُس کو لوٹا دیا ہے۔ اُس نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی پوری کوشش کی لیکن وہاں کے سب لوگ اور زیادہ ہنسنے لگے۔ لوگ اُسے چڑھا کر اتنا زیادہ پریشان کرنے لگے کہ وہ بغیر کچھ کھائے ہوئے ہوٹل سے نکل آیا۔

شرمندہ اور ذلیل ہو کر چوٹ کھایا ہوا وہ اپنے گھر لوٹا۔ اُسکی حالت پاگلوں کی سی ہو رہی تھی۔ اُس میں اتنی چالاکی ضرور رکھی کہ بٹوہ ہڑپ کرکے بھی وہ اپنی سچائی کی ڈینگ ہانک سکتا تھا اور اپنے کو پارسا ثابت کر سکتا تھا۔ اس لئے اُسے اور بھی رنج تھا کہ نہ تو وہ بٹوہ ہی اس کے ہاتھ لگا ورنہ وہ لوگوں کا شک ہی دور کر سکتا تھا! اُسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ اپنے کو بے گناہ ثابت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ لوگوں کی نگاہ میں وہ یوں بھی بہت چالباز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے زبردستی لگائے گئے اس الزام سے وہ تلملا اُٹھا۔

جیوں جیوں دن گذرتے جاتے، بُڈھا اپنے قصہ کو بڑھاتا جاتا تھا۔ ہر مرتبہ نئی نئی دلیلیں اور معقول ثبوت پیش کرتا تھا اور پہلے سے بھی سخت قسمیں کھاتا جن کے بارے میں وہ رات ہی کو سوچ لیتا تھا۔ دن رات اُس کے دماغ میں محض رسّی کا قصہ ہی گھومتا رہتا تھا! لیکن لوگ دن بدن اُس پر بہت کم اعتبار کرتے جاتے تھے۔

"جھوٹا آدمی ہی اس طرح کی قسمیں کھاتا اور دلیلیں پیش کرتا ہے۔" اس کی غیبت میں لوگ کہتے۔ اُس کے کانوں میں بھی لوگوں کے یہ الفاظ گونج اُٹھتے تھے۔ وہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا لیکن اس کی ساری دلیلیں اور کوششیں بےکار ہو جاتی تھیں۔

تھیں۔ وہ دن بدن کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ مسخرے اُسے چڑھاتے "رسّی اور رسّی!" اس کا دماغ خراب ہوتا جا رہا تھا۔

دسمبر کی آخری تاریخوں میں وہ چارپائی پر پڑ گیا اور جنوری کے پہلے ہی ہفتہ میں اس دنیا سے اُٹھ گیا۔ بیماری کے دنوں میں اُسے سرسام کی بیماری نے آ دبوچا تھا۔ تب بھی اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے وہ برابر کہتا رہتا تھا "رسّی کا ایک ٹکڑا... محض ایک چھوٹا سا ٹکڑا... ٹھہریئے... یہ ہے رسّی کا وہ ٹکڑا۔ موشئے میئر!"

دو ماہی گیر

پیرس کو چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا۔ رسد کا آخری دانہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ چڑیاں بہت کم نظر آتی تھیں اور چوہے بھی ختم ہو رہے تھے کیونکہ اہل شہر انھیں بھی مار مار کر کھا رہے تھے۔

وہ جنوری کی سنہری صبح تھی۔ گھڑی ساز ماریساٹ، شہر کی ایک بیرونی سڑک پر اپنے اوورکوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے بھوکا پیٹ پژمردہ سا چلا جا رہا تھا۔ اتنے ہی میں دفعتاً اپنے ایک پُرانے ساتھی سے اُس کی ملاقات ہو گئی۔ اُس کا نام ساویج تھا۔ جس سے برسوں پہلے دریا کنارے وہ ملا تھا اور اب ہر اتوار کو مچھلی پکڑنے جاتا تھا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ماریساٹ ہر اتوار کو علی الصباح ایک ہاتھ میں مچھلی پکڑنے کا کانٹا، دوسرے ہاتھ میں جال لے کر اور اپنی پیٹھ پر ٹن کا چھوٹا سا بکس لٹکا کر دریا کی طرف نکل جاتا تھا۔ جیوں ہی وہ دریا کے کنارے اپنی ہمیشہ کی جگہ پر پہونچتا، مچھلی پکڑنے کا کام شروع کر دیتا تھا اور پھر شام تک اُس کا یہی پروگرام رہتا تھا۔

وہیں ہر اتوار کو اس کی ساویج سے ملاقات ہوتی۔ ساویج ناٹرےڈم میں کپڑے کا تاجر تھا۔ پستہ قد، ہٹا کٹا، لیکن مست آدمی تھا اور مچھلی پکڑنے میں اُتنا ہی ہوشیار تھا جتنا کہ ماریساٹ۔

اکثر نصف دن تک وہ لوگ ایک ساتھ رہتے۔ دونوں پانی میں پیر لٹکائے ہوئے پاس ہی پاس بیٹھتے۔ بمشکل کبھی بات چیت کرتے اسی طرح دونوں میں خاموش دوستی کا آغاز ہوا۔ کچھ دنوں تک وہ اسی طرح خاموش رہے۔ لیکن جب دونوں میں بات چیت شروع

ہوئی تو ان میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی اتنی باتیں ملیں کہ وہ قدرتی طور پر ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ بسنت کے دنوں میں جب صبح کا سورج اُن کی پُشت کی طرف رہتا اور سارے دریا پر کُہرا چھایا رہتا ہے، یہ دونوں شوقین ماہی گیر آنے والی گرمی کی حدّت محسوس کرتے۔ تب ماریساٹ اپنے ساتھی سے کہنے لگتا "اہا۔ کتنی سُہانی صبح!"

— اور ساویج اُسی کی آواز میں آواز ملاتا۔ "اس سے اچھا اور کیا ہو سکتا ہے!"

دونوں کو سمجھنے اور تعریف کرنے کے لئے اس سے زیادہ الفاظ کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔

— یا جاڑے کی شام کو جب ڈوبنے والے سورج کی الوداعی کرنوں سے سارا آسمان لال ہو جاتا اور دریا کی پُرسکون سطح پر بادلوں کا نورانی عکس پڑ کر ایک دلفریب سماں پیدا کر دیتا اور سارا آسمان سرخ ہو جاتا اُس وقت دونوں دوستوں کا چہرہ بھی سُرخ ہو اُٹھتا تھا۔ اُس گھڑی ساویج آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرا کر کہتا "اوہ کتنا دلفریب منظر ہے یہ!"

— اور اپنے کانٹے پر سے آنکھ اُٹھائے بغیر ہی ماریساٹ جواب دیتا "پیرس کی ٹھنڈی سڑکوں سے کہیں اچھا، کیوں نہ؟"

آج اس مرتبہ جیوں ہی انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اُن کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ پاس آنے پر انھوں نے بڑے تپاک سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ اس طرح کے ناموافق حالات میں ہونے والی ملاقات سے متاثر ہو کر ساویج نے ایک سرد آہ کھینچ کر کہا "کیسی انوکھی ہے دنیا کی حالت!"

ماریساٹ جو آزردہ اور نڈھال سا ہو رہا تھا بولا "اور موسم بھی کیسا ہے! اس سال کا یہ پہلا دن ہے جب موسم اتنا سہانا ہو۔"

— سچ مچ اس دن آسمان صاف اور نیلا ہو رہا تھا۔ سورج بھی چمک رہا تھا۔ مصیبت زدہ اور فکر میں ڈوبے ہوئے وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

ماریساٹ بولا "ہمارا مچھلی پکڑنا! اوہ! کیسے سنہرے دن تھے ہمارے بھی!"

وہ لوگ کافی کی ایک چھوٹی سی دکان دیکھ کر ٹھہر گئے۔ دونوں نے ایک ایک پیالی کافی پی اور پھر روانہ ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد انھیں ایک اور دکان ملی اور ماریساٹ یکایک بول اُٹھا "ایک پیالی اور ساویج!"

"جیسی تمھاری مرضی" ساویج بولا۔

— اور وہ لوگ 'کافی گھر' میں گھس گئے۔

جب وہ لوگ باہر آئے تو اُن کے پاؤں کسی قدر ڈگمگا رہے تھے۔ ٹھیک اُن لوگوں کی طرح جو سویرے سویرے ہی بغیر کچھ ناشتہ وغیرہ کئے شراب چڑھا لیتے ہیں۔

سرد ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اُنھیں مست بنا گیا۔ ساویج کہنے لگا "اگر ہم لوگ چلے چلیں تو؟"

"کہاں چلیں؟" ماریساٹ نے چکرا کر پوچھا۔

"مچھلی پکڑنے۔"

"لیکن کہاں؟"

"کہاں کیا! اپنی اُسی جگہ پر! فرانسیسی پہرہ دار کولمبن پر ہیں۔ میں ان کے کرنل ڈیو مولین کو جانتا ہوں۔ اُس سے ہمیں بڑی آسانی سے

دریا کی طرف جانے کا حکم مل جائے گا۔"

ماریساٹ خوشی کے مارے اُچھل پڑا۔

"خوب! بہت خوب!! میں بھی یہی چاہتا تھا۔"

وہ لوگ اپنے اپنے گھر سے مچھلی پکڑنے کے کانٹے، جال وغیرہ لانے کے لئے رخصت ہوئے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہی دونوں پھر ملے اور اُسی چوڑی سڑک پر تیزی سے قدم بڑھاتے نظر آئے تھوڑی ہی دیر میں وہ اُس محلے میں پہونچے جہاں کرنل رہتا تھا۔ اُن کی بات سُن کر کرنل نے مسکراتے ہوئے اُنھیں اُس دن کا فوجی 'خفیہ لفظ' بتا دیا۔

اور وہ دونوں دریا کی طرف چل پڑے۔ فوجی لائن اور برباد شدہ کولمبس کو پار کر کے وہ لوگ انگور کے باغ میں آ پہونچے جس کا آخری حصہ دریا کا کنارہ تھا۔

اس وقت گیارہ بج چکے تھے

دریا کے کنارے پر بسا ہوا ارجنٹیل گاؤں بالکل سنسان نظر آتا تھا۔

اگریانٹ اور سانائس کی چوٹیاں ہی سارے ملک میں سب سے اونچی نظر آ رہی تھیں۔ سامنے کا سارا میدان ریگستان کی طرح ویران نظر آ رہا تھا۔ یہاں وہاں چیری کے درخت اور بھوری مٹی ہی دکھائی دیتی تھی۔

ساویج نے پہاڑ کی چوٹی کی طرف اشارہ کر کے دھیرے سے کہا "انھیں چوٹیوں پر پرشین لوگوں کا پڑاؤ ہے۔" اتنا کہتے ہی دونوں دوستوں کے دلوں میں ایک طرح کی سنسنی پھیل گئی۔

پرشین! اگرچہ انھوں نے پرشینوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا تاہم

اُن کی موجودگی کا انھیں پچھلے کئی مہینوں سے علم تھا۔ کیونکہ اُن لوگوں نے اُن کے پیارے اور خوبصورت شہر پیرس کو گھیر رکھا تھا اور اُن کے عزیز وطن کو جلا کر اور لوٹ کھسوٹ کر ویران کر دیا تھا۔ فاتح پرشینوں کے خلاف اُن کے دل میں حقارت آمیز خوف پیدا ہو گیا۔

ماریساٹ نے آہستہ سے سکوت توڑا "فرض کر لو ان سے مقابلہ ہو جائے؟"

— اور ساویج نے غرور سے سر اونچا کر کے کہا "ہو جائے تو کیا! شام کے کھانے کے لئے ہم انھیں بھی تھوڑی سی مچھلیاں دے دیں گے۔ بس۔"

اسی وقت وہ لوگ وہاں کی خوفناک خاموشی سے ڈر کر آگے بڑھنے سے ہچکچانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ساویج نے ہمت کر کے کہا "آؤ۔ ڈرنے کا کیا کام؟ ہمیں صرف ہوشیار رہنا چاہیے۔"

وہ جھک جھک کر انگور کی بیلوں کے درمیان سے دریا کے کنارے کی طرف بڑھنے لگے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ وہ آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھ کر آہٹ لیتے تھے کہ کہیں کوئی آ تو نہیں رہا ہے۔ لیکن کچھ بھی سُنائی نہ دیتا تھا۔

جب انھیں پورے طور سے اطمینان ہو گیا کہ وہ محفوظ ہیں تب وہ لوگ دریا میں اُترے اور مچھلی پکڑنا شروع کیا۔ دریا کے درمیان میں ایک جزیرہ تھا۔ جس کی وجہ سے دوسرے کنارے سے اُنھیں کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔ اُس جزیرہ پر آباد چھوٹا سا ہوٹل ایسا سنسان معلوم ہوتا تھا گویا مدت سے وہ یوں ہی پڑا ہوا ہے۔

پہلے ساویج کے جال میں مچھلیاں آئیں۔ پھر ماریساٹ کے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پکڑ پکڑ کر اُن کا ڈھیر لگانے لگے۔

بہت دنوں کے بعد آج انھوں نے اپنا شوق پورا کیا اس لئے اُس وقت وہ بہت ہی مگن تھے اور انھیں پاس پڑوس میں ہونے والی کسی آواز کا خیال تک نہ تھا۔ اس وقت وہ دونوں اپنے کام میں ہمہ تن مصروف تھے۔

دفعتاً انھیں ایک خوفناک آواز گویا زمین کے اندر ہی سے نکلتی ہوئی سنائی پڑی جس سے آسمان تک کانپ اُٹھا۔ دشمن کی توپوں نے پھر گولہ باری شروع کر دی تھی۔ ماریساٹ نے سر اُٹھا کر جو اپنے بائیں جانب دیکھا تو ماونٹ بیلیرین کی چوٹی سے دھوئیں کا بادل نظر آیا اور فوراً ہی آگ کی لپٹیں بھی نظر آئیں۔ دوسری بار پھر آسمان گونج اُٹھا۔ تب تو لگاتار ہی اُس چوٹی سے گولے برسنے شروع ہوئے اور دھوئیں کے بادل آسمان پر چھا گئے۔

ساویج نے اپنے کندھے اُچکا کر کہا "اُن لوگوں نے پھر توپوں سے گولے برسانا شروع کر دیا۔"

ماریساٹ اپنے کانٹے پر نظر لگائے ہی غصہ سے جل کر مگر کسی پریشانی کا اظہار کئے بغیر بولا "وہ جاہل ہیں جو ایک دوسرے کو مارتے ہیں!"

ساویج نے داد دی "وہ تو جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں۔"

ماریساٹ کے کانٹے میں اُسی وقت ایک مچھلی آئی تھی۔ اُسے سنبھالتے ہوئے وہ بولا۔ "اور شاید اُس وقت تک یہی ہوتا رہے گا جب تک کہ آئین حکومت تبدیل نہ ہو جائے!"

ساویج نے اصلاح کرتے ہوئے کہا "جمہور کو اعلان جنگ نہ کرنا چاہئے تھا۔"

ماریساٹ نے جواب دیا "شہنشاہیت کا مطلب ہے غیر ممالک سے جنگ اور جمہوریت جڑ ہے خانہ جنگی کی!"

— اور وہ دونوں اسی طرح سنجیدگی کے ساتھ سلطنت سے تعلق رکھنے والے اہم مسائل سے بحث کرنے لگے۔ ایک جگہ پہونچ کر دونوں متفق ہو گئے۔ کوئی بھی شخص کبھی بھی پورے طور پر آزاد نہیں ہو سکتا۔

ماونٹ بلیرین پر سے دشمن کی فوجیں ابتک گولہ باری کر رہی تھیں ان لوگوں سے فرانسیسیوں کی جان و مال کا بڑا نقصان ہو رہا تھا۔ کتنوں ہی کا عیش و آرام چوپٹ ہو رہا تھا۔ توپیں دوزخ کی آگ برسا کر کتنی ہی ماؤں کی گود سونی کر رہی تھیں اور کتنی ہی دلہنوں کی آرزوؤں کا خون ہو رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ توپیں اُس ملک اور اپنے وطن دونوں کے باشندوں کو تباہی اور موت کا پیغام دے رہی تھیں۔

"اسی کو کہتے ہیں زندگی!" ماریساٹ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

"زندگی نہیں موت" ساویج نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

دوسرے ہی لمحہ میں وہ خائف ہو کر چونک پڑے۔ انھیں اپنے ٹھیک پیچھے کسی کے چلنے کی آہٹ ملی۔

جیسے ہی انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ٹھیک اُن کے پیچھے چار قد آور دراز ریش فوجی کھڑے تھے۔ اُن کے پیچھے دیکھتے ہی اُن لوگوں نے بندوقیں تان لیں۔

خوف کے مارے اُن کے ہاتھوں سے کانٹے چھوٹ پڑے اور وہ دریا میں بہنے لگے۔ تھوڑی دیر میں دونوں کو پکڑ لیا گیا۔ اور کشتی میں بٹھا کر اُس جزیرہ کی طرف لے جایا گیا۔

اُس ہوٹل کے پیچھے جسے وہ ویران سمجھ رہے تھے بیس پرشین فوجی چھپے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے بالوں والے ایک لمبے چوڑے فوجی افسر نے جو کرسی پر بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا خالص فرانسیسی زبان میں ان سے پوچھا "کہو مچھلی پکڑنے میں کیسا مزہ آیا؟"

اُسی وقت ایک سپاہی نے اُن کی پکڑی ہوئی مچھلیوں سے بھرا ہوا جال اُٹھا کر اُس افسر کے پیروں کے پاس ڈال دیا۔

افسر نے مسکرا کر کہا "بُری تو نہیں ہیں۔ لیکن ہمیں تو ابھی دوسری مچھلیوں کو بھوننا ہے۔ گھبراؤ مت۔ ذرا میری بات بھی سُن لو۔ یقیناً تم لوگ فرانسیسی جاسوس ہو۔ جو ماہی گیروں کے بھیس میں ہماری فوجی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ اس لئے میں تمہیں قید کر رہا ہوں اور گولی سے اُڑوا کر ہی دم لوں گا۔ تم میرے ہاتھ میں پڑ گئے یہی تمہاری بدنصیبی ہے۔ چونکہ تم لوگ فوجی گھیرے کو پار کرکے آئے ہو اس لئے تمہیں ضرور ہی آج کا فوجی خفیہ لفظ معلوم ہوگا ورنہ اُس کے بغیر تم واپس ہی نہیں لوٹ سکتے تھے۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ تم مجھے اپنی فوج کا خفیہ اشارہ بتلا دو میں ضرور تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

نیم جان سے دونوں دوست پاس پاس کھڑے تھے۔ دونوں اپنے اپنے ہاتھ مَل رہے تھے۔ کسی میں کچھ کہنے کی طاقت نہ تھی۔

افسر کہتا گیا "کوئی کبھی بھی نہ معلوم کر سکے گا کہ تم نے ہمیں فوج کا خفیہ لفظ بتایا۔ یہ راز صرف تمہارے اور ہمارے درمیان رہے گا۔ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو تم دونوں کو اسی وقت گولی کا نشانہ بننا پڑے گا۔ جلد سوچ کر طے کر لو۔ تمہیں کیا پسند ہے؟"

وہ دونوں چپ چاپ کھڑے تھے۔

وہ پھر بولا "سوچ لو۔ تمہیں پانچ منٹ کا وقت دیتا ہوں۔ ورنہ تمہاری لاشیں اس ندی میں ڈبو دی جائیں گی" اُس نے دریا کی طرف اشارہ کیا۔ "میں سمجھتا ہوں تمہارے حقیقی رشتہ دار تو ضرور ہی ہوں گے۔" اُس نے کہا۔

— ماونٹ بلیریَن کی چوٹی سے اب تک آگ برس رہی تھی۔

دونوں فرانسیسی بالکل خاموش بُت بنے کھڑے تھے۔

افسر نے جرمن زبان میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا پھر اُس نے اپنی کرسی کچھ دور ہٹا لی۔ بھری ہوئی بندوقیں لیکر ایک درجن سپاہی کچھ دوری پر قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

"میں اب محض ایک منٹ کا وقت دوں گا۔" افسر نے کہا۔ "اس سے زیادہ ایک سکنڈ بھی نہیں۔" تب وہ کرسی سے اُٹھ کر دونوں ماہی گیروں کے پاس پہونچا۔ ماریسات کا ہاتھ پکڑ کر وہ اُسے ایک طرف لے گیا اور دھیرے سے کان میں کہنے لگا — "جلدی کرو۔ مجھے محض فوج کا خفیہ لفظ بتا دو۔ تمہارے ساتھی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ میں اُس سے بہانہ کر دوں گا کہ میں نے رحم کرکے اسے چھوڑ دیا ہے۔" لیکن ماریسات نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کے بعد افسر نے سادیج کا کندھا پکڑا اور اس کے سامنے بھی وہی بات پیش کی۔

— لیکن وہ بھی خاموش رہا۔ گویا مُنہ میں زبان ہی نہ تھی۔

پھر ایک بار دونوں کو ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔

افسر نے حکم دیا اور سپاہیوں نے بندوقیں سیدھی کر لیں۔

اچانک ماریسات کی نگاہیں دھوپ میں چمکنے والی مچھلیوں پر پڑیں اور اُس کے مُنہ میں پانی آ گیا۔

ایک لمحہ میں اُس نے اپنے ضمیر کی کمزوری محسوس کی اور اُسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بس رخصت، موشئے ساویج!" اس نے رُک رُک کر کہا۔

"الوداع ۔ بھائی!" ساویج نے جواب دیا۔

سر سے پیر تک ایک طرح کا لرزہ محسوس کرتے ہوئے دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ دبایا اور پھر تن کر کھڑے ہو گئے۔

"فائر" افسر نے حکم دیا۔

اور بارہوں گولیاں ایک ساتھ چل پڑیں۔

ساویج مُنہ کے بل گر پڑا۔ ماریساٹ جو کہ قوی ہیکل تھا ذرا لڑکھڑایا اور پھر اپنے دوست کے اوپر ہی گر پڑا۔ اس کا مُنہ اوپر کی طرف تھا اور چھاتی سے خون کا فوآرہ نکل رہا تھا۔

پرشین افسر نے حکم دیا اور اُس کے سپاہی بکھر گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ لوگ رسّی اور پتھر لے کر لوٹے۔ انھوں نے دونوں فرانسیسیوں کے پیروں میں پتھر باندھ دئے۔ اس کے بعد لاشوں کو اُٹھا کر دریا کی طرف چلد ئے۔

ابھی تک ماؤنٹ بلیرین کی توپیں آگ اُگل رہی تھیں۔

دو سپاہی ماریساٹ کی نعش کو سر اور پیر کی طرف سے اُٹھا رہے تھے۔ یہی حال ساویج کی نعش کا تھا۔ وہاں پہونچ کر انھوں نے جھولے کی طرح اُن کو ہوا میں لہرایا اور پھر پوری طاقت سے اُچھال کر پھینکدیا ہوا میں چکّر کاٹتی ہوئی وہ دونوں لاشیں پیر کے بل پانی میں گریں۔

پانی اُچھلا۔ پھر لہریں اُٹھیں اور لہروں کے چھوٹے چھوٹے حلقے چوڑے ہو ہو کر اُن کے خون کی سُرخی لے کر کناروں سے سر ٹکرانے لگے۔ دھیرے دھیرے یہ سب ختم ہو گیا۔

غمگین لہجے میں افسر نے کہا، "اب مچھلیاں انھیں اپنی خوراک بنائیں گی۔"

اسی وقت اُس کی نگاہ گھاس پر پڑے ہوئے ایک جال پر پڑی جو مچھلیوں سے بھرا تھا۔ اُس نے اُسے اُٹھا لیا اور بڑے غور سے دیکھا، پھر مسکراتے ہوئے پکارا "ولہیلم!"

اُسی وقت ایک سپاہی دوڑتا ہوا آیا۔

"ان مچھلیوں کو فوراً ہی میرے لئے بھون کر تیار کر دو۔ جب تک کہ وہ زندہ ہیں اور اُچھل کود کر رہی ہیں۔ ان کا بڑا مزیدار کباب بنے گا!"

اتنا کہہ کر وہ سگار پیتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔
